# ضعیف روایات

## کی اُصولی حیثیت اور تشریعی مقام

اس کتاب میں ضعیف حدیث کا مفہوم، اس کی اصولی حیثیت اور تشریعی مقام، ضعیف حدیث کی حجیت اور قابل اعتبار ہونے میں فرق، حضرات محدثین کرام اور اصولیین کرام کے مختلف مواقف، ان میں سے راجح موقف کی نشاندہی، فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کرنے کا مفہوم ودائرہ کار، ضعیف روایات سے متعلق علماء ہند کا موقف، موضوع سے متعلق مختلف شبہات واشکالات اور ان کے جوابات وغیرہ مباحث کو خالص علمی اور اصولی سانچے میں باحوالہ ذکر کیا گیا ہے۔


تالیف:

**مفتی عبید الرحمٰن صاحب**

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان



**مکتبہ دارالتقویٰ، مردان**

۰۳۰۰-۹۳۲۶۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : ۔۔۔۔۔ ضعیف روایات کی اصولی حیثیت اور تشریعی مقام

مصنف : ۔۔۔۔۔ مفتی عبید الرحمٰن صاحب، مردان

صفحات : ۔۔۔۔ (۱۳۸)

تاریخِ اشاعت : رجب ۱۴۴۶ھ جنوری ۲۰۲۵

ناشر : ۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

ملنے کا پتہ : دارالافتاء والارشاد، مردان : ۰۳۰۰۹۳۲۶۱۰۱

# فہرست مضامین

# تعارف واہمیت کتاب

## مولاناڈاکٹرطہ حسین صاحب زید مجدہم

جیسا کہ یہ بات اتفاقی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حدیث صرف متن کا نام نہیں بلکہ سند بھی حدیث مبارکہ کا اہم ترین حصہ ہے بقول حضرت عبداللہ بن مبارکؒ: "لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء"

اور اس کی اہمیت کیوں نہ ہو کہ حدیث پر صحت اور ضعف کے حکم لگانے کا مدار اسی سند پر ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ حدیث کو عام مجمع میں بیان کرنے اور بیان نہ کرنے کا دارومدار بھی اسی سند پر ہی ہے، سندِ حدیث ہمیں ثبوت اور عدمِ ثبوت کا پتہ دیتی ہے لہذا جب تک سند درست نہ ہو تب تک حدیث کو لکھنے اور بیان کرنے پر جرات کرنا نار جہنم پر جرأت کرنے کی مترادف ہے کیوں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

" من کذب علیّ متعمدا فلیتبواء مقعده من النار "

ترجمہ: "جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے، وہ اپنا مقام جہنم میں تیار کر لے۔"

## ضعیف احادیث سے متعلق چند اہم باتیں

ضعیف احادیثوں پر خود بھی احتیاط کیے بغیر عمل کرنا اور اسی طرح اس کی ترویج اور اشاعت مجالس اور بیانات میں بالخصوص عوامی مجالس میں اس کو بیان کرنے سے پہلے حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

### پہلی بات: احتیاط

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے اسی احتیاط پر خوب روشنی پڑتی ہے:

"حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ، حدثنا معاذ بن معاذ ، عن ابن عون ، حدثنا مسلم البطين ، عن إبراهيم التيمي ، عن ابيه ، عن عمرو بن ميمون ، قال : ما اخطاني ابن مسعود عشية خميس إلا أتيته فيه، قال: فما سمعته يقول لشيء قط، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلما كان ذات عشية، قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فنكس، فنظرت إليه فهو قائم محللة ازرار قميصه، قد اغرورقت عيناه وانتفخت أوداجه، قال: أو دون ذلك، أو فوق ذلك، أو قريبا من ذلك، أو شبيها بذلك".

ترجمہ:" حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں بلا ناغہ ہر جمعرات کی شام کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا، میں نے کبھی بھی آپ کو کسی چیز کے بارے میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے نہیں سنا، ایک شام آپ نے کہا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنا سر جھکا لیا، میں نے ان کو دیکھا کہ اپنے کرتے کی گھنڈیاں کھولے کھڑے ہیں، آنکھیں بھر آئی ہیں اور گردن کی رگیں پھول گئی ہیں اور کہہ رہے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ کم یا زیادہ یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ فرمایا۔"

## دوسری بات:

اصولی بات یہ ہے کہ دفع مضرت اولیٰ ہے جلب منفعت سے، لہٰذا اگر ضعیف احادیث مبارکہ میں ایک طرف اجر و ثواب ملنے کی امید ہے تو دوسری طرف سند کی ضعف کی وجہ سے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید وہ حدیث ثابت نہ ہو، اور جب ہم حدیث پر ملنے والے انعام اور بشارت یا فضیلت کی ترغیب دیتے ہیں تو عام لوگ ان

دقتوں سے نا آشنا ہوتے ہیں یا ان باریکیوں کو نہیں سمجھ پاسکتے، لہٰذا عام لوگ نبی ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس عمل کو سرانجام دینگے اور جو بات حضور پاک ﷺ سے ثابت نہ ہو اس کو ثابت ماننا انتہائی پُر خطر بات ہے بلکہ با الفاظ دیگر غیر شریعت کو شریعت بنانا ہے اور یہی کچھ ابتداع اور اختراع فی الدین کہلاتا ہے۔

## تیسری بات:

جو لوگ ضعاف پر عمل کرتے ہیں یقینی نسبت کے ساتھ اور ثبوت من النبی ﷺ کے ساتھ، تو ان کا خاتمہ بالشر ہونے کا احتمال ہے اور یہ اسی لیے کہ مثلاً اکثر احادیث مبارکہ میں مختلف فضائل آتے ہیں اور ان میں اکثر ایسی فضیلتیں ہوتی ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی میں مرنے سے پہلے انسان کو ملنے کی یقین دہانی کراتی ہے تو وہ شخص اس حدیث پر اہتمام کے ساتھ عمل کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ مرنے سے پہلے یہ چیز مجھے ضرور مل جائے گی حالانکہ وہ حدیث ثابت نہیں ہوتی ہے، اور جب ثابت نہ ہو تو بشارت اور فضیلت کہاں سے ان کو ملے گی ؟ لہٰذا عین مرتے وقت وہ تردّد اور شک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نعوذ باللہ شریعت کی کسی بات کو شک کی نگاہ سے دیکھنا اور اس کے بارے میں تردّد کرنا یہ اندیشہ کفر ہے۔

## چوتھی بات:

تین قسم کے گناہ ہیں فکری یعنی اعتقادی، قلبی اور عملی یعنی ظاہری جوارح کے ساتھ کیے جانے والے بد اعمال، تو عام طور پر لوگ ظاہری گناہوں سے مثلاً جھوٹ، دھوکہ، خیانت، بد نظری وغیرہ سے تو اپنے آپ کو بچاتے ہیں لیکن قلبی گناہ مثلاً تکبر، حسد، حب مال، حب جان وغیرہ تو ان چیزوں کو اول تو گناہ سمجھتے نہیں ہیں یا اگر سمجھتے ہیں تو پھر اس سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے، اور تیسری قسم کی وہ گناہ ہے جو کہ عقلی یا اعتقادی ہے یعنی

عقیدہ میں فتور آنا، تو یہ بہت خطرناک ہے کہ اعتقادیات میں کوئی لغزش آجائے نعوذ باللہ، اور ضعیف احادیث میں بے احتیاطی کے بنا پر اس پر عمل پیرا ہونے میں فکری گناہ کے ارتکاب کا اندیشہ ہے۔(تیسری اور چوتھی بات) یہ دونوں باتیں ایک مجلس میں استاد محترم حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب مدظلہ العالی جو کہ اسی کتاب کا مؤلف بھی ہے سے سماعت کی ہے۔

ہماری شریعت الحمدللہ مستحکم بنیادوں پر استوار ہے، غیر معروف راستوں کی تلاش یانامعلوم منزل کا مسافر بن کر کٹی ہوئی پتنگوں کی طرح دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بننا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

شریعت پر عمل کرنے کے لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا ثابت شدہ یقینی ذخیرہ موجود ہے، لہٰذا مشکوک باتوں کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اصولی بات یہ ہے کہ اگر ہم اعتدال کا راستہ اپنا کر افراط اور تفریط سے بچنے کی کوشش کریں گے توانشاء اللہ ہر قسم کی غلطیوں سے اللہ تعالی محفوظ اور مامون فرمائیں گے، احادیث مبارکہ کے بارے میں بھی بڑی بے اعتدالیاں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں، ایک طرف علامہ البانی مرحوم اور ان کے متبعین غیر مقلدین کا طریقہ کار ہے جو انتہائی افسوسناک ہے کیونکہ انہوں نے ضعیف حدیث کو موضوعی احادیث کے ساتھ ضم کر کے انتہائی ناقدری کا ثبوت دیا ہے عشق رسول ﷺ، محبت رسول اور وفاءِ حضور پاک ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ جو جو بات آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو جائے تو اسی بات کو دل وجان سے تسلیم کرنا اور اسی کو حرزِ جان بنانا چاہیے۔

اس کے بالمقابل دوسرے حضرات کا طریقہ کار بھی اعتدال سے ہٹا ہوا ہے وہ ہر اس سنی اور نقل کی ہوئی بات کو جس کے ساتھ سند کی شکل میں رجال کی کوئی کڑی موجود ہو کو

حدیث تصور کر کے لوگوں میں پھیلاتے رہتے ہیں حالانکہ سند تو وہ ہوتا ہے جس کو نقّادِ حدیث سند کہے، یہ بڑی بے احتیاطی ہے اور حدیثِ رسول کے نام پر شریعت مطہرہ کی خوبصورت چہرے کو بدعات اور خرافات سے داغدار کرنے کی مترادف ہے۔

ہمارے مخدوم محترم حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب نے سالہا سال کی محنتوں سے اور اپنے مطالعہ کا نچوڑ رکھ کر بہت درمندی سے ان اوراق کو ہمارے سامنے رکھ کر ہم پر احسان کیاہے اللہ تعالی ہمیں قدر شناسی نصیب فرمائے، حضرت مفتی صاحب کی فکر یہی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حدیث خواہ قول کی شکل میں ہو یا فعل کی شکل میں ہو، سے بھی کوئی محروم نہ رہ جائے لیکن ساتھ یہ بھی احتیاط ضرور رکھا جائے کہ اس حرص اور شوق میں حدود پار کرتے ہوئے غیر حدیث کو حدیث بھی نہ بنایا جائے کہ بقول ایک صاحب کے کہ:

" تتلیاں اڑتی ہے اور اس کو پکڑنے والے
سعی ناکام میں اپنوں سے بچھڑ جائے "

یہ انتہائی باریک نکتہ ہے علماء کرام کو اس ابتلائے عام میں کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے اور وہ یہ کہ ضعاف پر عمل کرتے وقت بالکل بھی نسبت الی الرسول ﷺ سے احتراز کرنا چاہیے، یہی بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر یہ بات ثابت ہو تو اللہ تعالی سے موعودہ انعام ملنے کی امید رکھی جائے اور بس۔ اس طرح کرنے سے ان شاءاللہ تعالیٰ اللہ ہمیں محروم بھی نہیں فرمائیں گے اور امر ممنوع سے بھی محفوظ رہیں گے۔ شریعت اپنی چاہت پوری کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ انقیاداور تسلیم و رضا کا نام ہے، بس جو حکم شریعت کی طرف سے ہمیں مل جائے اس کو من وعن اپنی احساسات اور جذبات سے بالاتر ہو کر سر

تسلیم خم کرنے کا نام ہے یہی جذبہ اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو زہے قسمت، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"درمیان قعر دریا تحت بند کر دیم
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش"

مفہوم یہ ہے کہ ایک طرف تو سمندر کے گہرے پانی میں غوطہ لگانے کا حکم ہے اور ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ کپڑوں کو گیلے ہونے سے بھی بچائے تو بظاہر تو یہ انتہائی ناممکن ہے کہ پانی میں غوطہ بھی لگائے اور کپڑے بھی تر نہ ہو، بس شریعت انہی دقتوں اور نزاکتوں کے درمیان چلنے کا نام ہے اسی کو تقوی کہتے ہیں اور اسی کو احتیاط سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں پر بھی یہی احتیاط مطلوب ہے، تو انشاءاللہ ہم احادیث مبارکہ پر عمل کرنے اور دوسری طرف احتیاط نہ کرتے ہوئے متردد اخبار کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے بھی محفوظ رہیں گے اس عمل پر وہ موعودہ انعام سے نوازیں انشاءاللہ، اللہ تعالی ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔

اسی طرح ایسی احادیث کو جن کی سند متکلم فیہ ہو تو بیان کرنے میں بھی، لکھنے اور کہنے میں بھی اس طرح تعبیر کیا جائے کہ "روایت کی گئی ہے" یا" اس طرح فرمایا گیا ہے" وغیرہ۔

## ایک عجیب نکتہ

فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب حدیث مختلف معانی کا محتمل ہو تو بلا دلیل ان متعدد معانی میں ایک متعین معنی کو راجح قرار دیکر اس کو مرادِ رسول اللہ ﷺ کہنا، بڑی جسارت ہے کیونکہ:

"لان القول علیه السلام بالظن حرام کما ان القول بالظن علیٰ الله حرام "

تو قرائن سے راجح معنیٰ کو اپنی طرف منسوب کرو نہ کہ نبی ﷺ کی طرف کیونکہ ظن غالب آپ کے قول کیلئے تو اصل بن سکتا ہے لیکن نبی ﷺ کے قول اور مراد کیلئے کبھی بھی دلیل نہیں بن سکتا، اب صرف اس قاعدے اور احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے محتاط شخص پوری حدیث جس کی سند ضعیف ہو اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا تو در کنار وہ حدیث کے اندر کسی محتمل لفظ کو بھی دیکھ کر اس کی وضاحت، اس کا معنی اور اس کی شرح بیان کرنے سے پہلے سو بار سوچے گا کہ ایسا نہ ہو کہ میں نبی ﷺ کی طرف ایسے معنی کی نسبت کرلوں جو حقیقت میں نبی ﷺ کی مراد نہ ہو یا مقصود نہ ہو۔

اسی طرح جہاں پر مختلف وجوہ اعراب کا احتمال ہو تو وہاں پر بھی یا تو متعدد احتمالات اور وجوہات پر تکلم کیا جائے یا پھر آخر میں " او کما قال علیہ الصلوۃ السلام " کہا اور پڑھا جائے مثلاً: " نحن معاشر الانبیاء " کو نصب کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے برائے اختصاص اور اس کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے برائے تاکید یا بناء بر خبریت، تو مقصود یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کسی عام شخص کا کلام نہیں ہے یہ صادق اور مصدوق علیہ الصلوۃ والسلام کا کلام مبارک ہے اور جس شان اور جس احتیاط کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنھم اجمعین نے اسے ضبط کیا ہے اور جس شوق اور محبت سے ہمارے سلف صالحین نے ہم تک محفوظ طریقے سے اس کو پہنچایا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ انہی کے راستوں پر چلتے ہوئے اسی طرح احتیاط کا برتاؤ کیا کریں۔ اللہ تعالی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

پس اس اہم نکتے کو صاحب کتاب نے اپنے اس قیمتی اوراق میں زیر بحث لایا ہے، قارئین سے التماس ہے کہ جس درد دل سے ان تنکوں کو جمع کر کے آشیانہ بنایا گیا ہے اسی درد سے اس کو دیکھا اور پڑھا جائے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

## صاحب کتاب کے بارے میں دو باتیں

موضوع کتاب کی مختصر تعارف کے بعد اب صاحب کتاب کے بارے میں ایک دو باتیں عرض کرتا چلوں:

صاحب کتاب کے بارے میں کچھ کہنا تو سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے، تاہم وہ احباب جو یہ سطور پڑھیں گے تو وہ ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ اس کتاب کا مؤلف کون ہے، تو میں صرف اجمالی طور پر چند باتیں حضرت مفتی دامت برکاتہم کے بارے میں کہنا چاہوں گا کہتے ہیں کہ:

"عطر وہ کہ خود ببوید نہ کہ عطار ببوید"

یعنی عطر وہ ہوتا ہے کہ خود ان سے خوشبو پھوٹے نہ کہ کوئی اور اس کی صفات بیان کرتا پھرے، تو الحمدللہ مفتی صاحب وہ عطر ہے کہ ان سے چار سو روحانی خوشبو پھیل رہی ہے وہ بیک وقت ایک کہنہ مشق مدرس، ایک مایہ ناز فقیہ، ایک بہترین مربی، ایک مشفق معلم اور استاذ، امت کا حقیقی معنوں میں درد اور غم رکھنے والا مجاہد اور اسی طرح سلوک اور احسان کے اعتبار سے ایک عظیم صوفی اور مرشد، عالم اسلام میں رہنے اور بسنے والے مفلوک الحال، ظالم اور خون خوار، یہودی بھیڑیوں کے نرغے میں جکڑے ہوئے مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے ایک شجر سایہ دار اور اختلاف و افتراق کے عمیق سمندر میں گھیری ہوئی امت کی وحدت اور یگانگت کی کشتی کا حقیقی ملاح، الغرض علمی اور عملی محاسن کا ایک حسین مرقع اور مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے ان کو علمی رفعتوں کے ساتھ روحانی

مدارج سے بھی نوازا ہے، ہر فن میں ان کو مہارت تامہ حاصل ہے، مطالعہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، ہر فن پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی متعدد کتب منصہ شہود پر آچکے ہیں اور پورے پاکستان کے طول و عرض میں بڑے بڑے شیوخ سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں، بعض کتابوں کے الحمدللہ دیگر زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

راقم اثیم: حافظ محمد طہ حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیشِ لفظ

نحمده ونُصلّي علىٰ رسوله الكريم، أمّا بعد:

اس کتابچے کا پسِ منظر یہ ہے کہ ہمارے ہاں شعبان کی تعطیلات میں "علم اصولِ فقہ" کا دورہ ہوتا ہے، جہاں اس عظیم ومفید علم کے تمام تر ضروری مباحث قدیم مآخذ کی روشنی میں تطبیقات کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں، اصول فقہ کا ایک اہم حصہ "حدیث وسنت" بھی ہے، اس باب کو بھی پوری اہمیت واہتمام کے ساتھ پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے، اس مبحث کا ایک اہم عنوان "ضعیف روایات" ہے جس کے متعلق اس وقت افراط اور تفریط کے مختلف مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں، اس لئے اس موضوع پر بھی اصولی نوعیت کی بحث کی جاتی ہے۔

چند سال پہلے دورانِ درس بعض باذوق طلبہ مختلف اشکالات وشبہات پیش کرتے رہیں، اس پر خاصا وقت صرف ہوا، اس سے کچھ جذبہ پیدا ہوا کہ اس موضوع کو اصولی انداز میں حل کرنا چاہئے، دارالافتاء کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے ان جیسے جذبات میں مزید تازگی وپختگی پیدا ہوتی رہتی ہے، اس لئے یہ چند سطور لکھنے کی نوبت آئی۔

## خطہ بحث

حدیثِ ضعیف کا اصولی مقام اور شرعی حیثیت کیا ہے؟ اوران جیسی روایات سے صحیح تعامل کا طریقہ کار کیا ہے؟ ان باتوں کی اچھی طرح تنقیح وتہذیب کے لئے آئندہ معروضات کو ایک خاص ترتیب کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے:

۱: پہلے باب میں حدیث ضعیف کا عمومی سا تعارف کیا گیا ہے، حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی علمی اصولی وجہ ذکر کی گئی ہے، شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے میں موجودہ مفاسد وخرابیوں کو ذکر کیا گیا ہے، اس حوالہ سے امت کے اسلاف کا تعامل اور محدثین کرام کی تصریحات وعبارات بھی ذکر کی گئیں ہیں۔

۲: دوسرا باب دو فصول پر مشتمل ہے، فصل اوّل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے متعلق حضرات محدثین کرام کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے راجح قول کی نشاندہی کی گئی ہے، راجح قول کے مطابق جن شرائط کا اس باب میں لحاظ رکھنا ضروری ہے، ان کی غیر معمولی اہمیت وافادیت اور ان کے شرط لگانے کی اصولی بنیادیں ذکر کی گئیں ہیں، اس حوالہ سے مختلف اہل علم کی عبارات بھی بقدرِ ضرورت ذکر کی گئیں ہیں۔ فصلِ دوم میں زیر بحث مسئلہ سے متعلق حضرات علماء ہند کا موقف ذکر کیا گیا ہے۔

۳: تیسرے باب میں موضوع سے متعلق گیارہ اہم شبہات واشکالات کا علمی واصولی جائزہ لیا گیا ہے، یہ وہ شبہات واشکالات ہیں جن کی وجہ سے زیر بحث مسئلہ میں علمی اور عملی طور پر بے احتیاطی کے متعدد مظاہر پیدا ہوئے ہیں، بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ علمی اور اصولی سانچے میں رہ کر ان کا تصفیہ کیا جائے۔

چونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے جس پر تین چار دہائیوں سے مختلف طبقات کی جانب سے بحث وتمحیص کی جارہی ہے اور اہل علم کی جانب سے مختلف قسم کے مواقف سامنے آئے ہیں، مستقل تحریرات وتالیفات بھی وجود میں آئی ہیں، اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ بات کو اصولی مدلل انداز میں ذکر کیا جائے اور اختصار کا دامن تھامے رکھا جائے۔

## گزشتہ کام کا اجمالی جائزہ

اس موضوع پر معاصر اہل علم نے بہت کام کیا ہے، علوم حدیث اور علم اصول فقہ کی کتابوں میں متعدد جگہ اس پر گفتگو کی گئی ہے، اس کے علاوہ دسیوں کتابیں اور مقالات ایسے بھی ہیں جو خاص اسی مسئلہ سے متعلق تحریر کی گئیں ہیں۔ مثال کے طور پر شیخ محمد عوامہ زید مجدہم کی "حکم العمل بالحدیث الضعیف"، دکتور عبد الکریم بن عبد اللہ الخضیر کی "الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ"، دکتور عبد العزیز عبد الرحمن کی "تحقیق القول بالعمل بالحدیث الضعیف"، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی "کتب فضائل پر اعتراضات اور ان کے جوابات"، حضرت مولانا شعیب اللہ خان مفتاحی زید مجدہم کی "احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت" اور حضرت مفتی رضاء الحق صاحب زید مجدہم کی افادات پر مشتمل کتاب "الجزء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف" وغیرہ تحریرات خاص اس موضوع کی تحریر و تحقیق پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ شیخ محدث ناصر الدین البانی مرحوم نے مختلف رسائل وکتب کے ضمن میں اور مولانا عبد اللہ معروفی نے "حدیث اور فہم حدیث" کے اندر بھی اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ یہ سب کتابیں اور تحریرات بلکہ ان کے علاوہ بھی متعدد تالیفات ومقالات اس ناکارہ کی نظر سے گزری ہیں اور موضوع سے متعلق درست موقف تک پہنچنے کے لئے ان استفادہ سے کرنے کی بھی اپنی حد تک کوشش کی ہے۔

## اس رسالہ کی اہمیت

ضخامت کے لحاظ سے تو یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن اس کے مرتب کرنے میں میرے کم وبیش پانچ سال صرف ہوئے ہیں، اس دورانیہ میں موضوع پر سوچ وبچار بھی کرتا رہا، باذوق اہل علم سے بحث ومناقشہ بھی کرتا رہا اور علم اصول فقہ وعلم اصول حدیث

کا مطالعہ و تلاش بھی جاری رہا، بعض عبارات و تحقیقات تلاش کرنے میں بڑی ورق گردانی بھی کرنی پڑی۔

## احوالِ واقعی

اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کو علم اصولِ حدیث میں کوئی مہارت ہے نہ ہی اس کا دعوی ہے، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مختلف کتب حدیث کے پڑھانے کی اگرچہ توفیق نصیب ہو رہی ہے لیکن وہ میری اہلیت و استحقاق سے اونچے اور بہت اونچے درجہ کا معاملہ ہے جس پر اپنے کریم رب سے شکر کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اس لئے حدیثی مباحث کی طرف زیادہ تعرض نہیں کیا گیا بلکہ اس کو ماہرینِ فن ہی کے لئے چھوڑا گیا ہے، یہاں زیر نظر موضوع کی اصولی حیثیت اور اس سے متعلقہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اپنے ناکارہ بندے کی اس حقیر سی کاوش کو محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور امت مرحومہ کے حق میں اس کو نافع و مفید بنائیں، وہ بہت ہی قدرداں اور نہایت ہی رحم و کرم والا ہے۔

ناکارہ عبید الرحمن

دارالافتاء والارشاد، مردان

۲۳ ربیع الثانی ۴۶ھ

# باب اول:

- حدیث ضعیف کا حاصلِ مفہوم و مصداق
- حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی بنیاد
- شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے کے مفاسد
- ائمہ محدثین کی تصریحات
- غالب گمان سے کم تر درجہ کا اعتبار نہیں

# باب اول:

# ضعیف احادیث اور ان سے شرعی احکام کے ثابت ہونے کا قضیہ

## حدیث ضعیف کا حاصلِ مفہوم و مصداق

یہاں ضعیف حدیث سے مراد وہ روایت ہے جو اصطلاحی لحاظ سے صحیح یا حسن نہ ہو، محدثین کے ہاں یہی اصطلاح زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ راوی کے ضبط وحافظہ میں خلل وغیرہ عناصر کی وجہ سے بعض اوقات کوئی حدیث فی نفسہ ضعیف قرار پاتی ہے لیکن تعدّدِ طرق کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، ایسی روایت بھی ضعیف حدیث کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ وہ تو حجت ہے جس سے شرعی احکام ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح محدثین کرام کے یہاں ضعیف حدیث کی مختلف قسمیں ہیں، بعض کتابوں میں چالیس تک اور بعض میں اس سے کم وبیش اقسام بیان ہوئی ہیں، ان اقسام میں سے ایک قسم "موضوع" بھی ہے، یہ قسم گو اپنے مقسَم (حدیث ضعیف) کے تحت داخل ہے لیکن یہاں مقسم میں اتنا عموم مقصود نہیں اور ذیل کے سطور میں ضعیف حدیث سے متعلق جو معروضات پیش کی جائیں گی، ان کا "موضوع" روایات کے متعلق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایسی روایت کے متعلق تو تقریباً اتفاق ہے کہ موضوع ہونے کی وضاحت کے بغیر اس کا بیان واشتہار بھی درست نہیں ہے۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

(النوع الحادي والعشرون: الموضوع: هو) الكذب (المختلق المصنوع، و) هو شر الضعيف) ، وأقبحه (وتحرم روايته مع العلم به) ، أي بوضعه (في أي معنىٰ كان) سواء الأحكام والقصص والترغيب وغيرها (إلا مبينا) ، أي مقرونا ببيان وضعه، لحديث مسلم: «من حدث عني بحديث يرىٰ أنه كذب،فهو أحد الكاذبين».[1]

ترجمہ:"(موضوع سے مراد جھوٹی اور من گھڑت بات ہے یہ ضعیف حدیث کی سب سے کمزور اور بدترین شکل ہے اور جب اس کے جھوٹے ہونے کا علم ہو تو چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی حدیث ہو اس کا بیان کرنا حرام ہے خواہ وہ احکام ہوں، قصے ہوں، ترغیب وغیرہ ہو، البتہ اگر اس کے جھوٹے ہونے کی وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے تو پھر گنجائش ہے، جیسے مسلم شریف کی حدیث میں ہے: «جو شخص مجھ سے ایسی حدیث نقل کرے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہو، تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

"توجیہ النظر" میں ہے:

اتفق العلماء علىٰ أنه لا يجوز ذكر الموضوع إلا مع بيان في أي نوع كان.[2]

ترجمہ:" علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کا ذکر صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا واضح طور پر بیان کیا جائے کہ وہ موضوع (جھوٹا) ہے، چاہے وہ کسی بھی قسم کا ہو۔

---

[1] تدريب الراوي:النوع الحادي والعشرون الموضوع،تعريف الوضع وكيفية معرفته،ج١ص ٣٢٣.

[2] توجيه النظر إلى أصول الأثر،صلة تتعلق بالضعيف،ج٢ص ٦٥٣.

## حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی بنیاد

ضعیف احادیث سے شرعی احکام پر استدلال کرنا درست ہے یا نہیں؟ محض ایسی روایات کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں جمہور امت کا موقف یہی ہے کہ ضعیف حدیث سے شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ:

ا: شرعی حکم، شرعی دلیل ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔

۲: جبکہ ضعیف حدیث شرعی دلیل نہیں ہے۔

جہاں تک پہلی بات ہے (کہ شرعی حکم، شرعی دلیل ہی سے ثابت ہو سکتا ہے) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "شرعی حکم" میں لفظ "یاء" شریعت کی جانب نسبت کرنے کا پتہ دیتی ہے، چنانچہ ہم جب کسی بات کو شرعی حکم کا درجہ دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بات شریعت کی بتلائی ہوئی ہے اور خود شریعت ہی نے اس کو "حکم" کا درجہ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کی بات شریعت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، شریعت کی خود رہنمائی کے بغیر ایسا کوئی راستہ نہیں ہے جس کے ذریعے یہ بات معلوم کی جا سکے، اس میں عقل و فکر یا خیال و تصور وغیرہ سے کام لینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ جن ذرائع سے شریعت کی رہنمائی معلوم ہوتی ہے، انہی کو شرعی دلائل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے کے مفاسد

اگر کسی شرعی دلیل کا سہارا لئے بغیر کسی بات کو شرعی حکم کا درجہ دیا جائے تو اس میں تین بڑی خرابیاں اور نمایاں مفاسد ہیں:

### پہلی اور دوسری خرابی

اس میں اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ ﷺ، دونوں پر افتراء کا اندیشہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو دین کی طرف منسوب کرنا انجام کار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب کرنا ہے اور جب اس پر کوئی تسلی بخش دلیل موجود نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کے مترادف ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾.[١]

ترجمہ: "کہہ دو میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور ہر گناہ کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی اور یہ کہ اللہ کا ایسی چیز کو شریک کرو جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور یہ کہ اللہ پر وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے"۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾.[٢]

ترجمہ: "اور اپنی زبانوں سے جھوٹ بنا کر نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تا کہ اللہ پر بہتان باندھو، بے شک جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں اُن کا بھلا نہ ہو گا"۔

اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ بات تو حدیث وروایت کی ہو رہی ہے اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہی کی جانب ہوتی ہے تو اس میں "افتراء علی اللہ" کا پہلو کہاں

---

[١] سورة الأعراف،رقم الأية:٣٣.

[٢] سورة النحل،رقم الآية: ١١٦.

سے آیا؟ اس اشکال کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم حدیث رسول ﷺ کو "وحی خفی" مانتے ہیں، لہٰذا حدیث کے الفاظ میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کا کوئی لفظ موجود نہ بھی ہو تو بھی انجام کار اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو ہی جاتی ہے، اس کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے، یعنی "تقوّل علی الرسول ﷺ"، "تقوّل علی اللہ" کو متضمن ہے۔

" صحیح مسلم " کی ایک قدیم و مفید شرح میں ہے:

ولاشكّ أن الكذبَ عمدا كلّه حرام إلاّ ما استثني و يتأكد تحريمُه في الخبر علىٰ النبي صلىٰ الله عليه وسلم لأنّه في الحقيقة كذب علىٰ الله جل وعلا لأنّ النبيّ صلىٰ الله عليه وسلم لا ينطق عن الهوي إنّ هو إلاّ وحي يوحىٰ و الجمهور علىٰ أن الكذبَ عليه صلىٰ الله عليه و سلم مِن أعظم الكبائر.[1]

ترجمہ: "یقیناً جان بوجھ کر ہر قسم جھوٹ حرام ہے سوائے ان امور کے جو مستثنیٰ ہوں، اور اس کا تحریم خاص طور پر اس صورت میں مزید مؤکد ہو جاتا ہے جب یہ خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہو، کیونکہ حقیقت میں یہ اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ جمہور کی یہ رائے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا سب سے بڑی گناہوں میں سے ہے۔

[1] مکمل اکمال الاکمال، ج١، ص١٧

نیز احادیث کا ایک حصہ وہ بھی ہے جن کو "حدیث قدسی" کہا جاتا ہے، ان میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرکے کوئی بات نقل کی جاتی ہے، اب اگر غیر مستند طریقے سے ایسی کوئی روایت بیان کی جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف صریح نسبت بھی موجود ہوتی ہے۔

علامہ برکوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومِن الافتراء علیٰ رسول الله صلّیٰ الله علیه وسلّم أن یُحدّث عنه بغیر علم..((اتّقوا الحدیثَ عنّي إلّا ما عِلمتم)) الترمذي... ومنه تحدیث کلّ ما سمع...[1]

ترجمہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے بارے میں بغیر علم کے بات کی جائے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"میرے بارے میں بات کرنے سے بچو سوائے اس کے جو تم جانتے ہو "**(ترمذی)۔ اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جو کچھ سنا جائے، اسے بغیر تحقیق کے بیان کیا جائے۔

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ماہ رجب کی فضیلت سے متعلق کچھ روایات نقل فرمائی ہیں، علامہ ابن ابی شامہ مقدسی اس کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وَکنت أود أَن الْحَافِظ لم یقل ذَلِك فَإِن فِیهِ تقریرا لما فِیهِ من الْأَحَادِیث الْمُنکرَة فقدره کَانَ من أَن یحدث عَن رَسُول الله صلی الله عَلَیْهِ وَسلم بحَدِیث یری أَنه کذب وَلکنه جری فِي ذَلِك علی عَادَة جمَاعَة من أهل الْأَحَادِیث یتساهلون فِي أَحَادِیث فَضَائِل الْأَعْمَال

---

[1] الطریقة المحمدیة،ص۳۵۵.

وَهَذَا عِنْدَ الْمُحَقِّقِين من أهل الحَدِيث وَعند عُلَمَاء الْأُصُول والفقه خطأ بل يَنْبَغِي أَن يبين أمره أَن علم وَإِلَّا دخل تَحت الْوَعيد فِي قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من حدث عني بِحَدِيث يرى أَنه كذب فَهُوَ أحد الْكَاذِبين.[١]

ترجمہ: "میری خواہش تھی کہ حافظ اس بات کو نہ کہتے کیونکہ اس میں ان احادیث کی تائید ہے جو منکر ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہو تا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی حدیث نقل کرتے ہیں جسے وہ جھوٹ سمجھتے ہوں، لیکن اس میں وہ اس معمول پر عمل کر رہے تھے جو بعض محدثین میں رائج ہے، جو فضائلِ اعمال سے متعلق احادیث میں تھوڑی سی سستی دکھاتے ہیں۔ تاہم یہ بات محدثین کے محققین اور اُصولی علما و فقہا کے نزدیک غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں وضاحت ضروری ہے، ورنہ وہ حدیث کی اس تنبیہ میں شامل ہو جائیں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی" : **جو شخص مجھ سے ایسی حدیث نقل کرے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہو، تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔**"

## تیسری خرابی

تیسری خرابی ابتداع فی الدین ہے، جب کسی چیز پر شرعی دلیل قائم نہ ہو تو اس کو شریعت کہنا غیر دین کو دین بنانا ہے جس کا بدعت ہونا واضح ہے۔

یاد رہے کہ یہ خرابی جس طرح نئے حکم کے ثابت کرنے کی صورت میں پائی جاتی ہے یوں ہی نئی فضیلت ثابت کرنے کی صورت میں بھی متحقق ہوتی ہے جبکہ عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا غالب گمان واعتقاد رکھا جائے۔

---

[١] الباعث على انكار البدع والحوادث،فصل فِي مُخَالفَة صَلَاة الرغائب للشَّرْع،ج١،ص٧٥.

## چوتھی خرابی

چوتھی خرابی تحریفِ دین ہے،اس طرح گنجائش دیدینے کی صورت میں آئے دن نت نئی باتیں دین کے نام وعنوان پر وجود میں آتی رہے گی جن کی وجہ سے دین کا حلیہ بالکل ہی بگڑ جائے گا۔

## پانچویں خرابی

پانچویں خرابی حضور ﷺ کی طرف غیر مستند بات نقل کرنا ہے۔

بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف کسی بات کو غلط طور پر منسوب کرنا سخت جرم اور بڑے گناہ و عذاب کا باعث ہے، جو شخص قصداً آپ ﷺ پر کوئی افتراء کرے ،وہ جہنم میں اپنے لئے ٹھکانہ تیار کرے،ان روایات کا تقاضایہ ہے کہ کسی چیز کو "حدیثِ رسول ﷺ " ٹھہرانے اوراس سے شرعی احکام ثابت کرنے میں خاصے احتیاط کی ضرورت ہے، بعض روایات میں اس بات کی وضاحت بھی فرمائی گئی ہے کہ بغیر "علم" کے کوئی چیز آپ ﷺ کی جانب بالکل منسوب نہ کی جائے، "سنن ترمذی" میں حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتَّقُوا الحَدِيثَ عَنِّي إِلاَّ مَا عَلِمْتُمْ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ قَالَ فِي القُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.[1]

ترجمہ:" میری طرف سے جو کچھ بھی بیان کیا جائے،اس میں احتیاط برتو، سوائے اس کے جو تم جانتے ہو۔،پس جو شخص جان بوجھ کر میرے بارے میں جھوٹ بولے، وہ

---

[1] سنن الترمذي،ابواب تفسير القران،باب ما جاء في اللذي يفسر القران برأيه،ج٥،ص٤٩.

اپنی جگہ جہنم میں بنالے، اور جو شخص قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہے، وہ بھی اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔""

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کرنے کے بعد خود ہی اس کو "حسن" قرار دیا ہے۔

اس سے یہ اصولی ضابطہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "اصل عدم قول ہے" یعنی اگر کسی چیز کے بارے میں یہ شک پیدا ہو جائے کہ یہ بات حضور ﷺ یا کسی اور نے کہی ہے یا نہیں؟ تو دیگر تمام افعال کی طرح یہاں بھی "نہ کہنا" اصل ہے جس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں ہے، جو شخص "کہنے" کا مدعی ہو، اس کے لئے تسلی بخش دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

بہر حال اس روایت میں "بغیر علم" کے کسی بات کو آپ ﷺ کی جانب سے روایت کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کے لئے "امر" کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو اصلاً وجوب کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حد تک احتیاط کرنا واجب ہے، پھر یہ لفظ "علم" یقین اور غالب گمان دونوں کو شامل ہیں اور جس طرح دیگر شرعی احکام میں غالب گمان بھی یقین کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والظاهر أن العلم هنا يشتمل الظن فإنهم إذا جوزوا الشهادة به مع أنها أضـيق من الرواية اتفاقا فلأن تجوز به الرواية أولى، ويؤيده أنه يجوز في الرواية الاعتماد على الخط بخلاف الشهادة عند الجمهور.[1]

---

[1] مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، ج١، ص٣٠٩.

ترجمہ:" ظاہر یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد ظن بھی ہے، کیونکہ جب فقہاء نے گواہی دینے کو ظن کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے، حالانکہ اس کا معاملہ روایت کے مقابلے میں زیادہ سنگین ہے، تو ظن کی بنیاد پر روایت بطریق اولیٰ درست ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روایت میں خط پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، جبکہ گواہی میں یہ بات جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله: (إلا ما علمتم) أي: بالظن الغالب أنه مني لئلا تقعوا في الكذب علي.[1]

ترجمہ:"حدیث کے الفاظ "الاماعلمتم" میں علم سے مراد غالب گمان ہے یعنی جب میری طرف سے کسی بات کا غالب گمان ہو تو نقل کرنا درست ہے تا کہ (بصورت دیگر) جھوٹ کا ارتکاب نہ کر بیٹھو"۔

علامہ امیر اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(اتقوا الحديث عني) أي التحديث (إلا ما علمتم) أي أنه عني، والمراد بالعلم: ما يشمل الظن لأنه غالب الأحاديث لا يخبر المخبر إلا ومعه ظن أنها عنه – صلىٰ الله عليه وسلم –، وقد ثبت الدليل علىٰ العمل بمعناها، وهو فرع روايتها وقبولها.[2]

---

[1] لمعات التنقيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ج۱، ص۵۷۰.

[2] التنوير المقدمة، حرف الباء، ج۱، ص۳۳۱.

ترجمہ: "یعنی حدیث نقل کرنے میں احتیاط برتو،) **إلا ما علمتم** (یعنی سوائے اس کے جو تمہیں علم ہو کہ وہ واقعی میری طرف سے ہے۔ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو ظن کو بھی شامل ہو، کیونکہ بیشتر احادیث میں راوی گمان کے مطابق یہ بات کہتا ہے کہ یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ثابت ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، یعنی جب حدیث نقل کی جائے تو اس کا صحیح ہونا اور اسے قبول کرنا ضروری ہے"۔

**محدث ابو العباس قرطبی "اختصار مسلم" کی شرح میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:**

ويفيد الحديثُ: التحذيرَ عن أن يحدِّثَ أحدٌ عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إلا بما تحقق صدقَهُ علمًا أو ظنًّا، إلا أن يحدّث بذلك على جهة إظهار الكذب؛ فإنه لا يتناوَلُهُ الحديث. وفي كتاب الترمذيِّ، عن ابن عباس – رضي الله عنهما – عن النبي – صلى الله عليه وسلم – أنه قال: اتقوا الحديثَ عنِّي إلا ما عَلِمتُم.[1]

ترجمہ: "حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے وقت کسی کو یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ صرف ایسی حدیث نقل کرے جس کی سچائی اسے علم یا ظن کی حد تک معلوم ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر جھوٹ بول کر حدیث نقل کرے تو وہ اس حدیث کے دائرے میں نہیں آتا۔ اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"میرے بارے میں بات کرنے سے بچو سوائے اس کے جو تم جانتے ہو"۔**

---

[1] المفهم، مقدمة، باب، ج ١، ص ١١٢.

## بعض دیگر ائمہ محدثین کی تصریحات

محدث ابو عبد اللہ الحاکم کی کتاب "المدخل" میں ہے:

وَقَائِلُ هَذَا يَخُوضُ فِيمَا لَيْسَ مِنْ صِنَاعَتِهِ فَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ قَاطِبَةً بِلَا خلاف بَيْنَهُمْ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ فِي أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ إِلَّا بِحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ.[1]

ترجمہ:" تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی بھی شرعی حکم میں استدلال صرف ایسے حدیث سے کیا جا سکتا ہے جو صدق و امانت والی، عقلمند اور قابل اعتماد شخصیت سے نقل کی گئی ہو"۔

حضرت خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ شیخ محمد بن یحی ذہلی رحمہ اللہ کا قول نقل کیاہے کہ:

«ولَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ إِلَّا بِالْحَدِيثِ الْمُوصَلِ غَيْرِ الْمُنْقَطِعِ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ رَجُلٌ مَجْهُولٌ وَلَا رَجُلٌ مَجْرُوحٌ»

ترجمہ:"کسی بھی شرعی حکم میں استدلال صرف اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے جو مکمل طور پر متصل ہو (یعنی اس میں ہر راوی کی سند آپس میں جڑی ہوئی ہو) اور جو منقطع نہ ہو (یعنی اس میں کسی راوی کی کمی نہ ہو)، اور اس میں کوئی ایسا شخص شامل نہ ہو جو مشہور نہ ہو (مجھول) یا جس پر کسی قسم کا طعن نہ ہو (مجروح)۔

اس کے متصل بعد شیخ یحی بن محمد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] المدخل إلى كتاب الإكليل،ذكر انواع الجرح والمجرحون علي عشرة طبقات،ج١،ص٦٩.

«لَا يَثْبُتُ الْخَبَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَرْوِيَهُ ثِقَةٌ عَنْ ثِقَةٍ حَتَّى يَتَنَاهَى الْخَبَرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَلَا يَكُونُ فِيهِمْ رَجُلٌ مَجْهُولٌ وَلَا رَجُلٌ مَجْرُوحٌ فَإِذَا ثَبَتَ الْخَبَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَجَبَ قَبُولُهُ وَالْعَمَلُ بِهِ وَتَرْكُ مُخَالَفَتِهِ».[1]

ترجمہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی خبر اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک وہ معتبر راوی سے معتبر راوی تک نہ پہنچے، اور اس خبر کی سلسلے کی ہر کڑی صحیح ہو (یعنی سند مکمل ہو)۔ اس میں کوئی راوی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مشہور نہ ہو (مجہول) یا جس پر اعتراض ہو (مجروح)۔ جب خبر اس معیار پر پوری اترے، تو اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اس کی مخالفت ترک کرنی چاہیے۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

أجمع الجماهير من أئمة الحديث والفقه) على (أنه يشترط فيه) ، أي من يحتج بروايته، (أن يكون عدلا ضابطا) لما يرويه. وفسر العدل (بأن يكون مسلما بالغا عاقلا) ...(سليما من أسباب الفسق وخوارم المروءة) ..قال تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا إن جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا﴾ وقال: ﴿وأشهدوا ذوي عدل منكم﴾. وفي الحديث: «لا تأخذوا العلم إلا ممن تقبلوا شهادته» .. وروي أيضا من طرق

---

[1] الكفاية في علم الرواية،مَعْرِفَةُ الْخَبَرِ الْمُتَّصِلِ الْمُوجِبِ لِلْقَبُولِ وَالْعَمَلِ،ج١،ص٢٠.

الشــعبي، عن ابن عمر، عن عمر، قال: «كان يأمرنا أن لا نأخذ إلا عن ثقة».[1]

ترجمہ: "جمہور فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کی روایت پر استدلال کیا جائے، اس کے بارے میں یہ شرائط ضروری ہیں:

وہ نیکوکار اور حدیث نقل کرنے میں ضبط والا ہو، یعنی اس کی شخصیت میں کوئی اخلاقی یا دینی خرابی نہ ہو۔ عادل ہونے کی تعریف میں یہ شامل ہے کہ وہ مسلمان، بالغ، اور عقل مند ہو، اور اس میں فسق (دینی خرابی) یا مروت کے خراب ہونے کی کوئی علامات نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اِن جَاءَكُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا﴾ (اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو) اور فرمایا: ﴿وَاَشْهِدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (تم اپنے درمیان انصاف والے لوگوں کو گواہ بناؤ)۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم صرف اس سے حاصل کرو جس کی گواہی تم قبول کرتے ہو۔

نیز امام شعبیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم صرف ثقہ (معتبر) شخص سے ہی علم لیں"۔

## غالب گمان سے کم تر درجہ کا اعتبار نہیں

اس بات پر بھی تمام اہل علم کا تقریباً اتفاق ہی ہے کہ دین کے بارے میں یقین یا غالب گمان ہی کا اعتبار ہے، غالب گمان سے کم تر درجہ شک اور پھر وہم کا ہوتا ہے، ان

---

[1] تدريب الراوي، النوع الثالث والعشرون، ج۱، ص۳۵۹.

دونوں کا یہاں اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر کسی بات کے دین میں سے ہونے پر کوئی ایسی دلیل قائم ہے جو یقین یا کم از کم غالب گمان کا موجب ہو تو وہ اپنی دلیل کی قوت کے مطابق دین کا حصہ قرار پائے گا اور جس چیز سے نہ یقین کا فائدہ حاصل ہو اور نہ ہی غالب گمان کا، اس کو اگر "دلیل" کا نام دیا بھی جائے، تو بھی اس کی بنیاد پر کسی چیز کو دین کا حصہ ٹھہرانا اور اس طور پر دین کی جانب اس کو منسوب کرنا درست نہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ [الإسراء: ٣٦]

ترجمہ: "اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ، بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہو گی"

علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قاعدة: الأصل ألا تبنىٰ الأحكام إلا علىٰ العلم لقوله تعالىٰ ﴿ولا تقف ما ليس لك به علم﴾ لكن دعت الضرورة للعمل بالظن لتعذر العلم في أكثر الصور فتثبت عليه الأحكام لندرة خطئه وغلبة إصابته والغالب لا يترك للنادر وبقي الشك غير معتبر إجماعا.[1]

ترجمہ: "ضابطہ یہ ہے کہ احکام کو صرف علم (یقین) پر مبنی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اور جس چیز کا تجھے علم نہ ہو، اس کے پیچھے نہ پڑ﴾، لیکن ضرورت کے تحت بعض اوقات ظن پر عمل کرنا پڑتا ہے کیونکہ کئی صورتوں میں یقین حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے احکام ظن پر قائم کیے جاتے ہیں، کیونکہ اس میں غلطی کا

---

[1] الذخيرة للقرافي، كتاب الطهارة، الباب الاول في الطهارة، ج١، ص١٧٧.

امکان کم اور صحیح ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اور عام طور پر غالب امکان کو نادر کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ، شک کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور اس پر اجماع ہے۔"

اس عبارت کے آخری جملہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ شک کا معتبر نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر کلام کرتے ہوئے اپنے "اصول" میں تحریر فرماتے ہیں:

فَإِن قيل هَذَا إِشَارَة إِلَى غير مَا أَشَارَ إِلَيْهِ عمر فَإِنَّهُ لم يقل لَا نقبل حَدِيثهَا لعلمنا أَنَّهَا أوهمت وَلَكِن قَالَ لَا ندع كتاب رَبنَا لأَنا لَا نَدْرِي أصدقت أم كذبت. قُلْنَا فِي قَوْله لَا نَدْرِي إِشَارَة إِلَى هَذَا الْمَعْنى فَإِن قبُول الرِّوَايَة وَالْعَمَل بِهِ يبتني على ظُهُور رُجْحَان جَانب الصدْق وَهُوَ بَين أَنه لم يظْهر رُجْحَان جَانب الصدْق فِي رِوَايَتهَا والرأي يدل على خلاف رِوَايَتهَا فنترك رِوَايَتهَا ونعمل بِالْقِيَاسِ الصَّحِيح وَفِي الْمَعْنى لَا فرق بَين هَذَا وَبَين قَوْله لَا نقبل رِوَايَتهَا بِمَنْزِلَة القَاضِي يرد شَهَادَة الْفَاسِق بقوله ائْتِ بِشَاهِد آخر ائْتِ بِحجَّة.[1]

ترجمہ:""" اگر کہا جائے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس قول کی طرف اشارہ نہیں ہے جس کی طرف اُس نے اشارہ کیا، کیونکہ اُس نے یہ نہیں کہا کہ: ہم اس کی

---

[1] أصول السرخسي،فصل فِي أَقسَام الروَاة الَّذين يكون خبرهم حجَّة، ج١ص٣٤٤.

حدیث کو نہیں قبول کریں گے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے غلط فہمی پیدا کی ہے، بلکہ اُس نے کہا کہ: ہم اپنی کتاب کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں 'ہم نہیں جانتے' سے مراد یہی ہے کیونکہ روایت کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا دارومدار اس پر ہے کہ صداقت کا پہلو کتنا غالب نظر آتا ہے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کیا کہ اس کی روایت میں صداقت کا پہلو غالب نہیں تھا، اور اس کی روایت کے برعکس رائے ہے، لہذا ہم اس کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں اور صحیح قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں اوراس ارشاد میں کہ 'ہم اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے' کے درمیان کوئی فرق نہیں، جیسے قاضی فاسق کی گواہی رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: دوسرے گواہ لے آؤ یا دلیل پیش کرو۔"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں کسی روایت میں صدق وثبوت کا جانب غالب وراجح ثابت نہ ہو، اس وقت اس پر عمل کرنا درست نہیں، اور ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف کا یہی حال ہوتا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس مسئلہ کے ضمن میں کہ:" حضرات محدثین نے دین کی حفاظت وصیانت جیسے مقاصد کے لئے مختلف راویوں پر کلام فرمایا ہے"، فرماتے ہیں:

لأنّ الشّهادةَ في الدّين أحقّ أن يُتثبّت فيها مِن الشّهادة في الحقوق والأموال.[1]

---

[1] سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٤

ترجمہ:"" کیونکہ دین میں گواہی کی جانچ پڑتال اور تصدیق حقوق اور اموال کی گواہی سے زیادہ ضروری ہے۔"

## تعاملِ سلف

اکابر ائمہ حدیث کا اس حوالہ سے تعامل کیا تھا؟ اس کا کچھ اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ نے شیخ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کو (متعدد باتوں میں) بار بار "قال رسول اللہ" کہتے ہوئے سنا تو فرمایا:

قاتلك الله يا ابن أبي فروة تجيئنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة.[۱]

ترجمہ:" اے ابن ابی فروہ!" اللہ تجھے ہلاک کرے، تم ہمارے سامنے ایسی حدیثیں لاتے ہو جن کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی اختتام۔"

"مصابیح" کے قدیم شارح علامہ مظہری رحمہ اللہ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يعني: كل حديث ليس له إسناد كجملٍ ليس له زمامٌ وليس له مالك مُعيَّنٌ ضالٍ في البادية، وقد جاء الحديثُ بالنهي عن أخذ الجمل الضالِّ في البادية، فكذلك الحديث إذا لم يكن مرويًا عن رسول الله – عليه السلام – بإسناد صحيح، أو لم يكن مكتوبًا في كتاب صنفه إمامٌ معتبر لم يجز قَبولُ ذلك الحديث، لأن النبي – عليه

---

[۱] شرح علل الترمذي، كتاب العلل،المرسل، ج۱،ص۵۲۹.

السلام – قال: "اتقوا الحديثَ منِّي إلا ما علمتُم، فمَنْ كذبَ عليَّ متعمِّدًا، فليتبَّوأْ مقعدَهُ من النارِ".

فقد قيَّد – عليه السلام – رواية الحديث عنه بالعلم، وكلُّ حديث ليس له إسنادٌ، ولا هو منقولٌ في كتاب مصنفه معتبر، لا تُعلَم روايةُ ذلك الحديث عن رسول الله عليه السلام، وإذا لم تُعلَم روايتُهُ عن رسول الله عليه السلام، فلا يجوز قَبولُهُ.[1]

ترجمہ:"ہر وہ حدیث جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، وہ اسی بے مہار اونٹ کی طرح ہے جو بے راہ ہے جس کا نہ کوئی لگام ہے نہ کوئی مالک جو کسی صحراء میں بٹھکا ہوا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ 'گم شدہ اونٹ' کو لے جانا منع ہے، اسی طرح جو حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے بغیر مروی ہو یا جسے کسی معتبر امام نے مرتب کردہ کتاب میں نہیں لکھا ہو، اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے حدیث بیان کرتے وقت احتیاط کرو، سوائے اس کے جو تم جانتے ہو، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث کو علم کے ساتھ مشروط کیا ہے، اور ہر وہ حدیث جس کا کوئی سند نہ ہو یا جس کا نقل کسی معتبر کتاب میں نہ ہو، اس کی روایت کا علم نہیں ہوتا۔ اور جب اس کی روایت کا علم نہ ہو، تو اس کو قبول کرنا جائز نہیں۔"

---

[1] المفاتيح في شرح المصابيح، مقدمة المؤلف، ج١، ص٤.

امام ترمذی رحمہ اللہ کا مختصر جو "علل صغریٰ" یا "علل صغیر" کے نام سے مشہور ہے جو در حقیقت "سنن ترمذی" کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

قال أحمد، وحدثنا أبو وهب قال: سموا لعبد الله بن المبارك رجلا يهم في الحديث فقال لان أقطع الطريق أحب إلیٰ أن أحدث عنه.[1]

ترجمہ: "حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ: ہمیں ابو وھب نے بتایا کہ عبد اللہ بن المبارک کے سامنے کسی ایسے شخص کا تذکرہ ہوا جو حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہے، تو عبد اللہ بن المبارک نے فرمایا: 'مجھے اس سے حدیث نقل کرنے کے مقابلے میں ڈاکو بننا پسند ہے"۔

حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ جملہ کتنا ہی معنی خیز ہے! اگر کوئی راوی نقلِ حدیث میں "وہم" کا شکار ہوتا ہے تو اس کی حدیث موضوع نہیں قرار پاتی لیکن اس کے باوجود امام موصوف اس سے اس قدر اجتناب واحتیاط فرماتے ہیں کہ اس کی بنسبت "قطع طریق" جیسے اتفاقی گناہ تک کو گوارا کرتے ہیں۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

روىٰ الشافعي وغيره، عن يحيىٰ بن سعيد، قال: سألت ابنا لعبد الله بن عمر، عن مسألة، فلم يقل فيها شيئا، فقيل له: إنا لنعظم أن يكون مثلك ابن إمامي هدىٰ تسأل عن أمر ليس عندك فيه علم، فقال: أعظم والله من ذلك عند الله وعند من عرف الله وعند من عقل عن الله أن أقول بما ليس لي فيه علم، أخبر عن غير ثقة. قال

---

[1] سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٥.

مکتبۃ البشری کے نسخہ میں یہ رسالہ کتاب کے شروع میں درج ہے (ملاحظہ فرمائیں: ج۱ص۲٦)

الشافعي: وقال سعد بن إبراهيم: لا يحدث، عن النبي – صلىٰ الله عليه وسلم – إلا الثقات، أسنده مسلم في مقدمة الصحيح. وأسند عن لبن سيرين: إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم. وروىٰ البيهقي، عن النخعي قال: كانوا إذا أتوا الرجل ليأخذوا عنه، نظروا إلىٰ سمته، وإلىٰ صلاته، وإلىٰ حاله، ثم يأخذون عنه.[1]

ترجمہ: "حضرت امام شافعی اور دیگر علماء نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سے ایک مسئلہ پوچھا، تو اس نے اس میں کچھ نہیں کہا۔ پھر اسے کہا گیا: ہم یہ بہت برا سمجھتے ہیں کہ آپ جیسے امامِ ہدایت کے بیٹے سے یہ سوال کیا جائے اور آپ کے پاس اس کا علم نہیں ہے۔' تو اس نے کہا: 'اللہ کے نزدیک اور جو اللہ کو جانتا ہے اور جو اللہ کی باتوں کو سمجھتا ہے، اس سے زیادہ خطرناک یہ بات ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو اور میں غیر معتمد راوی سے حدیث نقل کروں۔'

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ: سعد بن ابراہیم نے فرمایا: 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صرف ثقہ افراد سے ہی روایت کی جائے۔' اس کو مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کیا۔ نیز امام ابن سیرینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: 'یہ علم دین ہے، تو دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو۔'

---

[1] تدريب الراوي،النوع الثالث والعشرون،الثانية بم تثبت عدالة الراوي، ج١،ص٣٥٢.

امام بیہقیؒ نے امام النخعی سے نقل کیاہے کہ :'جب لوگ کسی سے علم لینے کے لیے جاتے تھے تووہ اس کے ظاہری حالت، نماز، اور اس کی مجموعی حالت کو دیکھتے تھے، پھر اس سے علم لیتے تھے (روایت نقل کرتے تھے)۔

یہاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، سعد ابن ابراہیم، امام ابن سیرین اور امام نخعی (رحمہم اللہ) کے اقوال سے واضح ہو جاتاہے کہ روایات کے باب میں ضعیف اور غیر ضعیف کا تمیز کرنا بہت ضروری اور توجہ طلب کام ہے۔

# باب دوم:

- فصلِ اول: ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے متعلق حضرات محدثین کرام کے تین مواقف، راجح قول اور جمہور کا موقف
- ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شرائط، ان کی توضیح اور اہمیت
- "اعتقادِ ثبوت" نہ رکھنے کا مفہوم اور ایک غلط فہمی کا ازالہ
- "احکام شرعیہ" کا مفہوم و مصداق
- "احکام" کے بارے میں بعض اہل علم کی رائے
- اندیشہ کے وقت "بیان ضعف" کی اہمیت
- ضعیف روایات پر بے قید عمل کرنے کی مضرتیں
- متضاد عبارات کا اصولی تجزیہ و توجیہ
- علامہ دوانی کی توجیہ پر بعض تحفظات کا ازالہ
- حجیت اور عمل کا فرق
- دونوں پہلوؤں کے فوائد و مفاسد کا تجزیاتی مقارنہ

# باب دوم:

## فصل اول:

## ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے متعلق حضرات محدثین کرام کے تین مواقف

ضعیف حدیث پر عمل کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق حضرات محدثین کرام مجموعی طور پر تین آراء نقل فرماتے ہیں:

۱: مطلقاً اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، چاہے وہ فضائل کا باب ہو یا دیگر ابواب۔ یہ موقف علامہ ابو بکر ابن العربی کا ہے اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ ائمہ فن کی طرف بھی اس کی نسبت کی جاتی ہے۔

۲: جب اس کے علاوہ کوئی نص موجود نہ ہو تو اس پر مطلقاً عمل کیا جائے گا۔ یہ موقف امام احمد رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہے اور علامہ ابن حزم وغیرہ نے حنفیہ کی جانب بھی اس کی نسبت کی ہے۔ دکتور نور الدین عتر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو امام احمد اور امام ابو داؤد (صاحبِ سنن) کا موقف قرار دیا ہے۔[1]

۳: ترغیب و ترہیب اور فضائلِ اعمال کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا اور حلال و حرام کے باب میں اس پر عمل نہیں ہو گا، البتہ جن ابواب میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، ان میں بھی کچھ شرائط ہیں جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ امام عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ ائمہ فن کے اقوال سے یہی واضح ہوتا ہے اور عام محدثین کرام بھی یہی

---

[1] ملاحظہ ہو ان کی کتاب: منهج النقد في علوم الحديث، ص۲۹۱.

ذکر فرماتے ہیں۔ دکتور عتر مرحوم وغیرہ نے اس کو جمہور فقہاء و محدثین کا موقف قرار دیا ہے[1]۔ امام نووی وغیرہ متعدد حضرات نے اس پر اہل علم کا اتفاق بھی نقل فرمایا ہے۔ علامہ عبد الرحمن سخاوی رحمہ اللہ "القول البدیع" کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو ان کے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی زبانی اور تحریری طور پر حدیث ضعیف سے متعلق یہی موقف ذکر فرمایا تھا۔

"مقدمہ ابن الصلاح" میں ہے:

الثاني: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوىٰ الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوىٰ صفات الله تعالىٰ وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرها. وذلك كالمواعظ، والقصص، وفضائل الأعمال، وسائر فنون الترغيب والترهيب، وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد. وممن روينا عنه التنصيص علىٰ التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي، وأحمد بن حنبل رضي الله عنهما.[2]

ترجمہ": محدثین اور دیگر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ اسناد میں کچھ نرمی کی جائے اور موضوعات کے علاوہ دیگر قسم کی ضعیف احادیث کو اس کے ضعف کو واضح کیے بغیر نقل کیا جائے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور شریعت کے احکام جیسے حلال و حرام سے متعلق نہ ہوں۔ یہ اس طرح کے احادیث جیسے مواعظ، واقعات، اعمال کے فضائل، ترغیب و ترہیب کے دیگر طریقے اور وہ سب کچھ جو احکام یا عقائد سے متعلق

---

[1] منهج النقد في علوم الحديث،ص٢٩٣.

[2] معرفة أنواع علوم الحديث-ت عتر،النوع الثاني والعشرون معرفة المقلوب،فصل،ج١ص ١٠٣.

نہ ہو میں جائز ہے۔ اور اس طرح کی نرمی کے حوالے سے عبد الرحمن بن مہدی اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما سے یہ بات مروی ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی۔"

حافظ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "القول البدیع" کے آخر میں ضعیف احادیث سے متعلق تین موقف نقل فرمائے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ:

۱: امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک ترغیب و ترہیب اور فضائل میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا مستحب ہے، شرعی احکام میں حجت نہیں۔

۲: علامہ ابن العربی (مالکی) رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کسی صورت عمل نہیں کیا جائے گا۔[1]

---

[1] جن حضرات کی تحقیق کے مطابق حدیث ضعیف پر عمل کرنے اور اس کی بنیاد پر استحباب وفضیلت ثابت کرنا درست ہے، ان میں سے بیشتر حضرات علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت درست تسلیم نہیں فرماتے، حضرت علامہ شیخ محمد عوامہ صاحب زید مجد ہم نے بھی "القول البدیع" کے حاشیہ میں یہ لکھ کر اس کو مشکوک ٹھہرایا کہ: "لا أراہ یصحّ عنہ" اور حدیث ضعیف سے متعلق جو مستقل رسالہ تالیف فرمایا ہے، وہاں بھی اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی، "تدریب الراوی" پر اپنی تعلیقات میں بھی اس امر کا اظہار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: تدریب الراوی، ج۳ص ۵۳۰)۔ اسی طرح بعض دیگر محققین کرام نے بھی علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کو مشکوک یا غیر ثابت قرار دیا ہے۔

اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ یہ نسبت درست ہو یا نہ ہو، موصوف نے اس بات کی صراحت فرمائی ہو یا نہ، دونوں صورتوں میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعض اہل علم کا یہ موقف رہا ہے اور متعدد کتابوں میں ان کا موقف ذکر بھی کیا جاتا رہا ہے، نیز غور کیا جائے تو تیسرا قول بھی اپنے اصل واساس کے لحاظ سے اس قول کے قریب تر ہے بلکہ شاید تیسرے قول کی بنیاد ہی یہی دوسرا قول ہے، چنانچہ اس آخری قول کے مطابق جن شرائط کے ساتھ عمل کرنے کی گنجائش دی جاتی ہے، ان شرائط میں غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، لہذا علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی طرف نسبت مشکوک یا غلط بھی ہو، تب بھی اصل بحث پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ اگرچہ یہ نسبت علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی دو کتابوں (القول البدیع اور فتح المغیث) میں کی ہے اور

**۳:** مشروط طور پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد اس تیسرے قول کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد سمعت شيخنا مراراً يقول وكتبه لي بخطه أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلاً، الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب إلىٰ النبي - صلىٰ الله عليه وسلم - ما لم يقله قال والأخيران عن ابن السلام وعن صاحبه ابن دقيق العيد والأول نقل العلائي الإتفاق عليه، قلن وقد نقل عن الإمام أحمد لأنه يعمل بالضعيف إذا لم يوجد غيره ولم يكن ثم ما يعارضه وفي رواية عند ضعيف الحديث أحب إلينا من رأىٰ الرجال وكذا ذكر ابن حزم أن جميع الحنفية مجمعون علىٰ أن مذهب أبي حنيفة - رحمه الله - أن ضعيف الحديث أولىٰ عنده من الرأي والقياس وسئل أحمد يكون ببلد لا يوجد فيها إلا صاحب حديث لا يدري صحيحه من سقيمه وصاحب رأي فمن يسأل قال يسأل صاحب الحديث ولا يسأل

---

بعض دیگر معتمد اہل علم بھی اس کو نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ نسبت غلط قرار دینے کی جو بنیاد ہے، وہ بھی کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے، اس میں کوئی بعد کی بات نہیں ہے کہ ایک شخص سے دو ایسی باتیں ثابت ہوں جو بظاہر مخالف دکھائی دیں، اس کا ضابطہ یہی ہے کہ پہلے توجیہ و تاویل سے کام لیا جائے، نہ ہو تو موقف کی تبدیلی پر محمول کیا جائے۔

صاحب الرأي ونقل أبو عبد الله بن مندة عن أبي داود صاحب السنن وهو من تلامذة الإمام أحمد أنه يخرج الإسناد الضعيف إذا لم يجد في الباب غيره وأنه أقوىٰ عنده من رأي الرجال

ترجمہ: میں نے بار بار اپنے شیخ سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے مجھے لکھا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لیے تین شرائط ہیں: پہلی شرط جو متفق علیہ ہے، وہ یہ کہ ضعف شدید نہ ہو، تو اس میں وہ لوگ خارج ہوں گے جو جھوٹے ہوں یا اس پر جھوٹ کا الزام ہو یا جن کی غلطیاں بہت زیادہ ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی عام اصول کے تحت آتی ہو، تو اس سے وہ حدیثیں خارج ہو جائیں گی جو بالکل نئے خیالات پر مبنی ہوں اور جن کا کوئی اصل نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب اس پر عمل کیا جائے تو یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ یہ حدیث قطعی طور پر ثابت ہے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو انہوں نے نہ کہی ہو۔ شیخ نے کہا کہ آخری دونوں شرائط ابن سلام اور ان کے شاگرد ابن دقیق العید سے مروی ہیں، اور پہلی شرط پر علائی نے اجماع نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں اگر اس کے سوا کوئی اور حدیث نہ ہو اور نہ اس کے مخالف کوئی اور چیز ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ضعیف حدیث ہمارے نزدیک بندوں کے آراء سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ابن حزم نے بھی ذکر کیا ہے کہ تمام حنفیوں کا اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے زیادہ راجح اور مقدم ہے۔ امام احمد سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شہر میں صرف ایسا شخص موجود ہو جو صحیح اور ضعیف حدیث میں فرق نہیں کر پاتا اور وہاں رائے کے حامل بھی موجود ہوں تو کس سے سوال کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سوال حدیث کے جاننے والے سے کیا جائے، رائے والے سے نہیں۔ ابو عبد اللہ بن مندۃ نے ابو داود صاحب السنن سے

نقل کیا ہے، جو امام احمد کے شاگرد تھے، کہ وہ ضعیف اسناد کو خارج کرتے تھے اگر اس باب میں اس کے سوا کوئی اور نہیں ملتی تھی، اور ان کے نزدیک یہ رائے سے زیادہ مضبوط تھی۔"

اس تفصیل کو ذکر کرنے کے بعد تین مواقف کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقاً، ويعمل به مطلقاً إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كما تقدم بشروطه.[1]

ترجمہ:""" ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب ہیں: پہلی یہ کہ ایسی حدیث پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔ دوسری یہ کہ اگر اس باب میں کوئی اور حدیث نہ ہو تو اس پر مکمل طور پر عمل کیا جائے گا۔ اور تیسری یہ کہ جس پر زیادہ تر علما کا عمل ہے، کہ اس پر فضائل کے حوالے سے عمل کیا جاتا ہے، لیکن احکام میں نہیں، جیسا کہ اس کے شروط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"

یہی علامہ سخاوی رحمہ اللہ، اپنے شیخ واستاذ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالے سے اپنی ایک دوسری مفید کتاب میں ان تین شرائط کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أَفَادَ شَيْخُنَا أَنَّ مَحَلَّ الْأَخِيرِ مِنْهَا حَيْثُ لَمْ يَكُنِ الضَّعْفُ شَدِيدًا، وَكَانَ مُنْدَرِجًا تَحْتَ أَصْلٍ عَامٍّ ; حَيْثُ لَمْ يَقُمْ عَلَى الْمَنْعِ مِنْهُ دَلِيلٌ أَخَصُّ مِنْ ذَلِكَ الْعُمُومِ، وَلَمْ يُعْتَقَدْ عِنْدَ الْعَمَلِ بِهِ ثُبُوتُهُ.[2]

---

[1] القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع،خاتمة،ج١ص ٢٥٥.

[2] فتح المغيث بشرح ألفية الحديث،الْمَقْلُوبُ،تَنْبِيهَاتٌ،ج١ص ٣٥١.

ترجمہ:" ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس آخری قول کا محل یہ ہے جہاں ضعف شدید نہ ہو اور یہ کسی عام اصل میں شامل ہو؛ جہاں اس عام اصول کے خلاف اس پر عمل کرنے کا کوئی خاص دلیل نہ ہو، اور اس پر عمل کرتے وقت اس کی صحت کا یقین نہ ہو۔"

## راجح قول اور جمہور کا موقف

ضعیف احادیث کے ساتھ تعامل کے متعلق اہل علم کے مجموعی طور پر یہ تینوں موقف رہے ہیں، اس میں راجح قول کونسا ہے؟ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اس میں جمہور کا موقف کیا ہے؟ تو متعدد محققین نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ یہی تیسرا موقف ہی راجح ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔ یہاں مثال کے طور پر چند اہل علم کی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی تحقیق چند سطور پہلے ذکر کی جاچکی ہے، جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقاً، ويعمل به مطلقاً إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كما تقدم بشروطه.[1]

ترجمہ:" خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب ہیں: پہلا یہ کہ اس پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا، دوسرا یہ کہ اگر اس باب میں اس کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو تو اس پر مکمل طور پر عمل کیا جاتا ہے، اور تیسرا یہ کہ جس پر اکثر علماء کا عمل ہے، یعنی اس پر فضائل کے باب میں عمل کیا جاتا ہے نہ کہ احکام میں، جیسا کہ اس کے شرائط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"

---

[1] القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، خاتمة، ج١ص ٢٥٥.

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

منهم مَن منع العملَ بالضّعيف مطلقا وهو مذهب ضعيف، ومِنهم مَن جوّزه مطلقا وهو توسّع سخيف، ومِنهم مَن فصّل وقيّد وهو المسلك المسدّد.[١]

ترجمہ: " بعض حضرات نے ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کرنے کو منع کیا ہے، اور یہ ایک کمزور مکتبۂ فکر ہے، کچھ نے اسے مطلقاً جائز قرار دیا ہے، اور یہ ایک غیر ضروری وسعت ہے، اور کچھ نے تفصیل اور قید ذکر کی ہیں، اور یہی صحیح راستہ ہے۔"

علامہ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ، ایک صاحب کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

يسترسل في بيان وجوه اختلاف العلماء في الأخذ بالحديث الضعيف ويتمسّك بأضعف الأراء فيه، فيهدم مصرا ليبني كوخا، مع أنّ الواجبَ هو التمسّك بالأقوىٰ حجّة لا اتّباع أيّ رأي لأيّ قائل، فأعدل الأراء في الأخذ بالضّعيف وأقواها حجّة تقييد ذلك بشروط، قال السّخاوي في خاتمة القول البديع...

ترجمہ: " حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں علماء کے اختلافات کی مختلف وجوہات کو تلاش کرکے ان میں سے سب سے کمزور آراء کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسے کہ کوئی ایک شہر کو گرا کر ایک جھونپڑی بناتا ہے، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ انسان کو سب سے مضبوط حجت والے رائے پر عمل کرنا چاہیے، نہ کہ کسی بھی قائل کے رائے کی پیروی کرنا۔ تو ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے حوالے سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مضبوط

---

[١] الأجوبة الفاضلة،ص٥٣.

رائے یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کو مخصوص شرائط کے ساتھ مشروط کیا جائے۔ علامہ سخاوی نے "القول البدیع" کے آخر میں یہ بیان کیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف کی حجیت اور اس کی دائرہ کار کا مسئلہ ہو یا اس کے علاوہ علمی و تحقیقی مسائل، صرف اہل علم کے اقوال نقل کرنا اور اسی پر اکتفاء کرنا، یا ان میں سے کسی بھی قول کو اختیار کرنا کسی طرح درست نہیں ہوتا، بلکہ صحیح منہج یہی ہے کہ راجح قول کو لیا جائے، یہ بھی صراحت ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے بارے میں صحیح اور قوی قول وہی ہے جو حضرت حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ سے منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشروط طور پر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

اسی مضمون کے ضمن میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کو علی الاطلاق ممنوع قرار دینے والے اہل علم کون تھے؟ اور ان کے استدلال واحتجاج کا قدر و مرتبہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

والمنع مِن الأخذ بالضّعيف علىٰ الإطلاق مذهبُ البخاري ومسلم وابن العربي كبير المالكية في عصره وأبي شامة المقدسي كبير الشّافعية في زمانه وابن حزم الظّاهري والشّوكاني ولهم بيان قويّ في المسألة لا يُهمل.[١]

ترجمہ:" ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کرنے سے منع کرنا، یہ امام بخاری، امام مسلم، ابن العربی (مالکیہ کے بڑے عالم)، ابو شامۃ المقدسی (شافعیہ کے بڑے عالم اپنے زمانے میں)، ابن حزم ظاہری، اور شوکانی کا کی رائے ہے۔ ان لوگوں نے اس مسئلے پر ایک مضبوط موقف اختیار کیا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

---

[١] مقالات الكوثري، كلمة حول الأحاديث الضّعيفة،ص٤٦.

دکتور محمود طحّان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اختلف العلماء في العمل بالحديث الضعيف، الذي عليه جمهور العلماء أنه يستحب العمل به في فضائل الأعمال، لكن بشروط ثلاثة، أوضحها الحافظ ابن حجر وهي: أ- أن يكون الضعف غير شديد. ب- أن يندرج الحديث تحت أصل معمول به. ج- ألا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط.[1]

ترجمہ:" علما کے درمیان ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، جو اکثر علما کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے، مگر اس کے لیے تین شرائط ہیں، جن کی وضاحت حافظ ابن حجر نے کی ہے:

- ضعف شدید نہ ہو۔
- حدیث کسی ایسے اصل کے تحت آتی ہو جو پہلے سے عمل میں ہو۔
- جب اس پر عمل کیا جائے تو اس کی صحت کا یقین نہ ہو، بلکہ احتیاط کی نیت ہو۔"

یہ تو مثال کے طور پر چند اہل علم کی عبارات ذکر کی گئیں ہیں، ورنہ یوں تو بہت سے محدثین کرام نے صراحۃً یا دلالۃً اسی موقف کو راجح قرار دیا ہے۔ معاصر اہل علم میں سے بھی اکثر حضرات اسی موقف کو راجح مسلک کے طور پر ذکر کرتے ہیں، چنانچہ:

الف: عجم کے علماء میں سے برصغیر پاک وہند میں مولانا یونس جونپوری رحمہ اللہ کا علوم حدیث کے ساتھ خصوصی تعلق رہا ہے، مولانا محمد زید مظاہری صاحب نے ان کی

---

[1] تيسير مصطلح الحديث،مقدمة الطبعة العاشرة، ج١،ص٨١.

افادات پر مشتمل کتاب "نوادر الحدیث" کے نام سے مرتب فرمائی ہے، اس میں ص ۱۲۴ تا ۱۲۷ یہی موقف ذکر ہے۔

ب: عرب اہلِ علم میں سے شیخ سید محمد علوی مالکی مرحوم نے اپنی کتاب "المنہل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف" ص ۶۷ پر حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے یہی شرائط ذکر فرمائے ہیں۔

## ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شرائط اور ان کی توضیح

عام محدثین فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے نقل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں گنجائش کے قائل اور اس پر عامل ہیں، تاہم جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا، یہ گنجائش بے قید نہیں ہے بلکہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ وہ شرائط کتنے، کیوں اور کون کونسے ہیں؟ ذیل میں ان تینوں باتوں کی بقدرِ ضرورت تحقیق کی جاتی ہے، علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی درج بالا عبارت میں صراحت ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے لئے درج ذیل تین شرائط ذکر فرمائے ہیں:

## تین شرائط

۱: ضعف شدید نہ ہو۔ ضعف شدید سے مراد یہ ہے کہ کسی روایت کے سند میں ایسا راوی ہو جو کذاب، کذب کے ساتھ متّہم یا ایسا شخص ہو جو حدیث کے معاملہ میں "فحش غلط" کا شکار ہو۔

۲: روایت میں جو مضمون بیان ہوا ہو، وہ کسی شرعی ضابطے اور اصل عام کے تحت داخل ہو، لہٰذا محض ضعیف روایت کی بنیاد پر کوئی نیا عمل اختراع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۳: عمل کرتے ہوئے اس مضمون کے شرعی ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

# چوتھی شرط

۴: حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ شرط بھی ذکر فرمائی ہے کہ (عوام کے سامنے) اس کی تشہیر نہ کی جائے تاکہ یہ تشہیر کرنا ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا سبب نہ بنے۔ فرماتے ہیں:

وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العاملُ كونَ ذلك الحديث ضعيفا وأن لا يُشهّر ذلك لئلاّ يعمل المرء بِحديث ضعيف فيشرع ما ليس بِشرع أو يراه بعضُ الجهّال فيظن أنّه سنّة صحيحة.

ترجمہ: "اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہونی چاہیے کہ جو شخص عمل کر رہا ہو، وہ اس بات کا یقین رکھے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس بات کو مشہور نہ کرے تاکہ کوئی شخص ضعیف حدیث پر عمل کرکے ایسا عمل نہ شروع کردے جو شریعت کا حصہ نہیں ہے، یا کوئی جاہل اس کو صحیح سنت سمجھ کر اسے صحیح سمجھے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فضائل اور احکام کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ہی شریعت کا حصہ ہیں، فرماتے ہیں:

ولا فرق في العمل بالحديث في الأحكام أو الفضائل إذا الكلّ شرع.[1]

ترجمہ: "احکام یا فضائل میں حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی شریعت کے اجزاء ہیں۔"

---

[1] تبيين العجب،ص١١.

## بعض اہل علم کی بے اطمینانی اور اس کا ازالہ

جو اہلِ علم ضعیف حدیث کے متعلق توسیع و تسامح کے قائل ہیں، ان میں سے بہت سے حضرات اس شرط کے بارے میں بے اطمینانی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ شرط حضرت حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) کا ذاتی خیال ہے، متقدمین ائمہ فن سے یہ منقول نہیں، اس میں حافظ صاحب کی اتباع کرنا کوئی ضروری نہیں۔ حالانکہ اصولی لحاظ سے دیکھا جائے تو:

الف: حافظ صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ شرط بالکل درست، مفید اور معنی خیز ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس شرط کی رعایت رکھے بغیر اگر عام لوگوں کے سامنے بھی ضعیف حدیث اور اس کے مفہوم کی تشہیر کی جائے گی تو جمہور کے قول پر عمل نہیں ہو سکے گا، جمہور حضرات نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے جن شرائط کا ذکر فرمایا ہے، ان کا حاصل یہی ہے کہ اس حدیث کو حضور نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب نہ کیا جائے بلکہ احتیاط واحتمال کے درجے میں اس کے مفہوم پر عمل کیا جائے جبکہ تشہیر کی صورت میں بات عوام کے حلقے تک جا پہنچتی ہے اور ان کے بارے میں ان باتوں کی توقع رکھنا سراب خیال ہی ہے۔

ب: حافظ صاحب رحمہ اللہ خود اس فن کے ماہر اور شناور ہے، ان کی یہ بات بھی اصولی لحاظ سے بالکل درست ہے تو اس کے بعد متقدمین کا اس شرط کو ذکر نہ کرنا مضر نہیں، یوں ہی اگر ہر بات کے درست ہونے نہ ہونے کا یہی معیار و مدار بنایا جائے تو انجام کار ہر فن کے بہت سے مسلّمات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ تاہم اس کے باوجود صورتِ حال یہ ہے کہ یہ شرط لگانا حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کا اختراع وایجاد نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی بعض ائمہ فن کے ہاں اس کی اصل واساس مل جاتی ہے۔

مثال کے طور پر امام مسلم نیشاپوری رحمہ اللہ اپنے "صحیح مسلم" کے "مقدمہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَلْزَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْكَشْفَ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَدِيثِ، وَنَاقِلِي الْأَخْبَارِ، وَأَفْتَوْا بِذَلِكَ حِينَ سُئِلُوا لِمَا فِيهِ مِنْ عَظِيمِ الْخَطَرِ، إِذِ الْأَخْبَارُ فِي أَمْرِ الدِّينِ إِنَّمَا تَأْتِي بِتَحْلِيلٍ، أَوْ تَحْرِيمٍ، أَوْ أَمْرٍ، أَوْ نَهْيٍ، أَوْ تَرْغِيبٍ، أَوْ تَرْهِيبٍ، فَإِذَا كَانَ الرَّاوِي لَهَا لَيْسَ بِمَعْدِنٍ لِلصِّدْقِ وَالْأَمَانَةِ، ثُمَّ أَقْدَمَ عَلَى الرِّوَايَةِ عَنْهُ مَنْ قَدْ عَرَفَهُ، وَلَمْ يُبَيِّنْ مَا فِيهِ لِغَيْرِهِ مِمَّنْ جَهِلَ مَعْرِفَتَهُ كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذَلِكَ، غَاشًّا لِعَوَامِّ الْمُسْلِمِينَ، إِذْ لَا يُؤْمَنُ عَلَى بَعْضِ مَنْ سَمِعَ تِلْكَ الْأَخْبَارَ أَنْ يَسْتَعْمِلَهَا، أَوْ يَسْتَعْمِلَ بَعْضَهَا وَلَعَلَّهَا، أَوْ أَكْثَرَهَا أَكَاذِيبُ لَا أَصْلَ لَهَا.[۱]

ترجمہ:" محدثین نے اپنے آپ پر حدیث کے راویوں اور بات پہنچانے والوں کے عیوب کو بے نقاب کرنا لازم کیا، اور جب ان سے پوچھا گیا تو اسی پر فتویٰ دیا، کیونکہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے، کیونکہ دین کے معاملات میں جو خبریں آتی ہیں وہ یا تو حلال و حرام کے متعلق ہوتی ہیں، یا کسی حکم یا منع کے بارے میں، یا ترغیب یا ترہیب کے بارے میں۔ پس اگر راوی سچائی اور امانت کا مصدر نہ ہو، پھر اس سے روایت نقل کرنے والا جو اس کو جانتا ہے اور اس کے عیب کو دوسرے لوگوں سے چھپاتا ہے، تو وہ گناہگار ہو گا اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہا ہو گا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جو شخص وہ خبریں سنے، ان کو استعمال کرے، یا ان میں سے بعض کو استعمال کرے، حالانکہ وہ زیادہ تر جھوٹ ہوں، جن کا کوئی اصل نہیں ہو۔"

---

[۱] صحیح مسلم،باب الكشف عن معايب رواة الحديث---ج۱،ص۲۸.

یہ عبارت اس بات میں صریح ہے کہ اگر کسی روایت کا راوی "صدق" و "امانت" کا حامل نہ ہو، کسی شخص کو یہ بات معلوم بھی ہو اور اس کے باوجود وہ ناواقف لوگوں کے سامنے ایسی روایت کو روایت کے طور پر نقل کرتا رہے تو ایسا کرنا گناہ اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کے مترادف ہے کیونکہ ناواقف سننے والے ان روایات اور اس کے معانی و مفاہیم کو دین کا درجہ دیں گے جبکہ اس میں جھوٹ و بے اصل ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہی بات حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی کہنا چاہتے ہیں۔

## پانچویں شرط

حافظ ابن الصّلاح صاحب وغیرہ بعض محدثین نے مزید یہ شرط بھی ذکر فرمائی ہے کہ جزم کے صیغہ کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے بلکہ مجہول کا صیغہ استعمال کیا جائے یا ایسے لفظ کو استعمال کرنا چاہئے جس میں جزم کا پہلو غالب نہ ہو۔

"مقدمہ ابن الصلاح" میں ہے:

إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه: " قال رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم كذا وكذا " وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلىٰ الله عليه وسلم قال ذلك، وإنما تقول فيه: " روي عن رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم كذا وكذا، أو بلغنا عنه كذا وكذا، أو ورد عنه، أو جاء عنه، أو روىٰ بعضهم " وما أشبه ذلك. وهكذا الحكم فيما تشك في صحته وضعفه.[١]

---

[١] مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث—ت عتر،النوع الثاني والعشرون معرفة المقلوب، فصل،ج١ص ١٠٣.

ترجمہ:" اگر آپ ضعیف حدیث کو بغیر اسناد کے بیان کرنا چاہیں تو آپ یہ نہ کہیں: 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور یہ فرمایا' یا ایسی کوئی بات جو اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، بلکہ آپ کہیں: 'روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور یہ فرمایا'، یا 'ہمیں اس کے بارے میں پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا'، یا 'اس کے بارے میں آیا ہے'، یا 'اس کا ذکر آیا ہے'، یا 'کچھ لوگوں نے روایت کیا ہے' وغیرہ۔ اور یہی حکم ہے جب آپ کسی حدیث کی صحت اور ضعف میں شک رکھتے ہوں۔"

## ان شرائط کی اہمیت وافادیت

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کرام نے ضعیف احادیث پر عمل کرنے یا فضائل کے باب میں ان کو معتبر ماننے کے لئے یہ جو شرائط مقرر فرمائے ہیں، یہ بہت ہی اہمیت کے حامل اور نہایت معنی خیز ہے۔

ان شرائط پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات نے دونوں پہلوؤں (حدیث ضعیف کے ثابت ہونے اور نہ ہونے) کا اس ڈھنگ سے خیال رکھا ہے جس سے بہتر کوئی صورت شاید مشکل ہو۔ چنانچہ ایک طرف اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کی گنجائش بلکہ ترغیب دی جارہی ہے اور دوسری طرف اس کو شریعت کی طرف منسوب نہ سمجھنے اور عوام میں اس کی تشہیر نہ کرنے کی شرط لگائی جارہی ہے تاکہ دین کی عمارت میں ایسی کوئی چیز داخل نہ ہونے پائے جس کے دین ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے کی نہایت محتاط اور بہت ہی معقول و مناسب صورت ہے۔

ان شرائط پر اچھی طرح غور کرنے سے وہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جب ضعیف حدیث دلیلِ شرعی نہیں ہے تو اس پر عمل کرنے کی گنجائش یا ترغیب کیوں دی جارہی ہے؟ شیخ نور الدین عتر مرحوم فرماتے ہیں:

وفي رأيي أن الناظر في شروط العمل بالحديث الضعيف يجد فيها ما ينفي الزعم بأنه إثبات شرع جديد، وذلك أنهم اشترطوا أن يكون مضمونه مندرجا تحت أصل شرعي عام من أصول الشريعة الثابتة، فأصل الشريعة ثابت بالأصل الشرعي العام، وجاء هذا الخبر الضعيف موافقا له.[1]

ترجمہ:"میرے خیال میں جو شخص ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے شروط کا جائزہ لے، وہ اس میں یہ بات پائے گا کہ یہ دعویٰ کہ یہ کوئی نئی شریعت قائم کرتا ہے، مسترد ہو جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے شرط رکھی ہے کہ اس کا مضمون کسی ثابت شرعی اصول کے تحت آنا چاہیے، تو اصل شریعت ثابت ہے اور اس ضعیف خبر کا مفہوم اس کے مطابق ہے۔"

## مجوزین کے ہاں شرائط کی رعایت

اس ناکارہ کا تو یہ خیال ہے کہ جن حضرات کے ہاں اس باب میں توسع کا ہونا مشہور ہے اور وہ عملی طور پر ضعیف احادیث کے ساتھ کافی حد تک اعتناء رکھتے ہیں، ان میں سے

---

[1] منهج النقد في علوم الحديث،الباب الرابع: في علوم الحديث من حيث القبول أو الرد،الفصل الثاني: في الحديث المردود،ج۱ص ٢٩٤.

اکثریت کے ہاں بھی یہ شرائط ملحوظ ہوتے ہیں اور وہ اپنی حد تک ان شرائط کی پابندی کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔[1]

مثال کے طور پر اس باب میں علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور متعدد اہل علم نے ان کی "شرح اربعین" کی عبارت کو اس باب میں استدلال کے طور پر نقل

---

[1] یہ تو اس ناکارہ کا خیال ہی تھا جس کے مختلف قرائن وشواہد آسانی کے ساتھ ڈھونڈے اور تلاش کئے جاسکتے ہیں، تاہم کتاب کی تبییض کے وقت علامہ امیر محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ کی کتاب "توضیح الافکار" نظر سے گزری، اس کے حاشیہ پر جابجا علامہ شیخ محی الدین عبد الحمید رحمہ اللہ کی کچھ مفید تعلیقات وتحقیقات بھی ہیں، زیر بحث مسئلہ کے تحت ان کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب سامنے آئی کہ متاخرین کی اصطلاح میں جس روایت کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ بالاتفاق قابل اخذ واستفادہ نہیں ہے، اس باب میں جو نزاع ذکر کیا جاتا ہے، وہ نزاع لفظی ہے، اور ترغیب وترہیب یا فضائل اعمال کے باب کا بھی یہی حکم ہے، فرماتے ہیں:

وفضائل الأعمال لا تخلو عن حكم أهونه الإباحة، وأي فرق بين حكم وحكم، ما دام معنى حكم المجتهد على شيء من الأشياء بحكم من الأحكام يتضمن حكماً ضمنياً على الله تعالى وعلى رسول الله صلوات الله وسلامه عليه بأنه يقتضي في هذا الموضوع بما يذهب إليه المجتهد، والذي ينقدح في ذهن العبد الضعيف أن الخلاف في هذه المسألة من نوع الخلاف اللفظي، وأن الجميع متفقون على أن لا يؤخذ في الفضائل والمواعظ إلا بالحديث الحسن وهو ما دون الصحيح في ضبط رواته فمن قال من العلماء كأحمد وابن مهدي يؤخذ بالحديث الضعيف في الفضائل أراد بالضعيف الحسن لأنه ضعيف بالنظر إلى الصحيح ولأنه بعض الذي كانوا هم وأهل عصرهم يطلقون عليه اسم الضعيف".
(توضيح الأفكار شرح تنقيح الأنظار، ج٢ص٢١٢).

ترجمہ:" فضائل اعمال میں حکم کا کم از کم درجہ اباحت پایا جاتا ہے، تو پھر اعلیٰ حکم اور ادنی حکم میں کیا فرق ہے، جب کہ مجتہد کا کسی چیز پر حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حکم کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی وہ اس موضوع میں جو رائے رکھتا ہے، اس پر عمل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ جو بات میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف لفظی نوعیت کا ہے، اور سب کا اتفاق ہے کہ فضائل اور مواعظ میں صرف حسن حدیث پر عمل کیا جائے گا، جو صحیح سے کمزور ہوتی ہے، اس لیے جو علماء جیسے امام احمد بن حنبل اور ابن مہدی نے ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کرنے کا کہا، ان کا مقصد ضعیف حدیث سے حسن حدیث تھا، کیونکہ وہ صحیح کے مقابلے میں ضعیف ہے اور وہ اسے ضعیف کہتے تھے جو اس وقت کے اہل علم اور ان کے معاصرین کے نزدیک ضعیف ہوتا تھا۔"

فرمایاہے جس میں انہوں نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی عقلی واصولی وجہ ذکر فرمائی ہے، لیکن اس کے بالکل متصل بعد کی عبارت سے ان کا پورا موقف بالکل واضح ہوجاتاہے کہ وہ بھی فی الجملہ ان شرائط کے قائل ہیں جو حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہوئی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

(وقد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال)...أشار المصنف رحمه اللہؒ تعالیٰ بحكاية الإجماع على ما ذكره إلى الرد على من نازع فيه بأن الفضائل إنما تُتَلقى من الشرع، فإثباتها بالحديث الضعيف اختراعُ عبادة، وشرع في الدين ما لم يأذن به اللہؒ.ووجه ردّه: أن الإجماع لكونه قطعيًا تارةً، وظنيًا ظنًا قويًا أخرى لا يُردُّ بمثل ذلك لو لم يكن عنه جوابٌ، فكيف وجوابه واضح؟! إذ ذاك ليس من باب الاختراع والشرع المذكورَينِ، وإنما هو ابتغاء فضيلةٍ ورجاؤها بأمارةٍ ضعيفةٍ من غير ترتُّب مفسدةٍ عليه كما تقرر.[1]

ترجمہ:"علماء نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے... مصنف رحمہ اللہ نے اس اجماع کاذکر کر کے ان لوگوں کارد کیاہے جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ فضائل صرف شریعت سے ہی اخذ کیے جاتے ہیں، اور ضعیف حدیث سے ان کا اثبات عبادت میں نئی چیز متعارف کرانااور دین میں ایسی بات کرناہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

---

[1] الفتح المبين،خطبة الكتاب،ذكر بعض من صنف أربعين حديثًا،ص١٠٩.

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اجماع کبھی قطعی ہوتا ہے اور کبھی ظنی، لیکن ظن کا قوت والا ہونے کے باوجود بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اس کا کوئی واضح جواب نہ ہو، تو پھر اس کا جواب واضح ہے! کیونکہ یہ نہ تو اختراع ہے اور نہ ہی شریعت میں نئی بات ہے، بلکہ یہ ایک فضیلت کے حصول کی کوشش ہے اور اس کے پیچھے ایک کمزور دلیل ہے، جس سے کسی قسم کی خرابی پیدا نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔"

اس عبارت میں جو اشکال اٹھایا گیا ہے، اسی کی وجہ سے جمہور نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے "عدمِ اعتقادِ ثبوت" کی شرط لگائی تھی۔ علامہ ہیتمی رحمہ اللہ نے اشکال کے اس نکتے کو غلط قرار نہیں دیا بلکہ جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ عمل کرنے سے " اعتقاد ثبوت " لازم نہیں آتا، اس سے اشکال میں ذکر کردہ نکتہ کی پوری پوری تائید ہو جاتی ہے۔

## "اعتقاد ثبوت" نہ رکھنے کا مفہوم اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

درج بالا شرائط میں سے تیسری شرط یہ ذکر کی گئی ہے کہ ضعیف روایات کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے اس مفہوم کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے، بعض روایات میں اس کو یوں بھی تعبیر فرمایا گیا ہے کہ ثبوت کا یقین نہ رکھا جائے، اس سے بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ اصل ممنوع چیز " یقین " نہ رکھنا ہے، لہذا اگر " یقین " نہ رکھا جائے اور صرف " ظن " کے درجہ میں اس پر عمل کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

مثال کے طور پر ہندوستان فقہ اکیڈمی کے ایک فیصلہ میں ہے:

"ترغیب وترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ اس میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس میں بیان کئے ہوئے ثواب وعقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔"[1]

حالانکہ یہ بات بالکل بے جا اور خلافِ ضابطہ ہے، شرائط کے ضمن میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ اس بات کو حضور نبی کریم ﷺ یا شریعت کی جانب منسوب نہ کیا جائے، چاہے وہ نسبت یقین کے درجے میں ہو یا ظن غالب کے درجے میں، دونوں ناجائز ہیں۔ صرف "یقین جازم" کے درجے میں منسوب کرنا ممنوع نہیں ہے، "یقین جازم" تو کسی بھی خبر واحد کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا چاہے، وہ اسنادی لحاظ سے صحیح یا حسن ہی کیوں نہ ہو۔

## "احکام شرعیہ" کا مفہوم ومصداق

ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ صرف فضائل اعمال میں ہی اس کا اعتبار ہے، "شرعی احکام" میں اس کا اعتبار نہیں، اس میں "شرعی احکام" کا لفظ وہی اصولی اصطلاح کے طور پر استعمال ہے، شریعت کے پانچوں احکام (وجوب واستحباب، کراہت وحرمت اور اباحت) اس کے تحت داخل ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم محض ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

## "احکام" کے بارے میں بعض اہل علم کی رائے

شیخ محمد عوامہ صاحب زید مجدہم کا خیال یہ ہے کہ یہاں "شرعی احکام" اس معنی میں استعمال ہے اور نہ ہی یہ پانچوں احکام اس کے تحت داخل ہیں بلکہ یہاں اس سے مراد

---

[1] نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص:۲۱

وجوب اور حرمت ہیں، یہ دونوں احکام ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، باقی احکام ثابت ہوسکتے ہیں، چنانچہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے "المدخل" میں حضرت عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا کہ:

إذا رَوَينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والأحكام، تشددنا في الأسانيد، وانتقدنا الرجال، وإذا رَوَينا في فضائل الأعمال والثواب والعقاب، تساهلنا في الأسانيد، وتسامحنا في الرجال.

ترجمہ:"" جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں، تو ہم اسناد میں سختی کرتے ہیں اور رجال (روایات کے راویوں) پر تنقید کرتے ہیں، لیکن جب ہم فضائل اعمال، ثواب اور عذاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں، تو ہم اسناد میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور راویوں کے بارے میں تسامح کرتے ہیں۔"

اس پر تعلیق کرتے ہوئے موصوف زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

هذا القول من الإمام عبد الرحمن بن مهدي صريح في أن المستحبات والمكروهات الداخلة تحت قوله "الثواب والعقاب": لا تدخل تحت الأحكام التشريعية التكليفية، لأنه ليس فيها كُلْفة وإلزام ووجوب، وهذا رأي مشهور لجمهرة من الأصوليين، وعليه عدد من أئمة الحديث المجتهدين وغيرهم ممن نصّ على العمل بالحديث الضعيف في الفضائل، خلافًا لمن يقول: إن الأحكام التشريعية هي

الخمسة، وهي متساوية في عدم جواز العمل إلا بالصحيح، قال هذا القول الشوكاني، وتُوبع، والتحقيق علىٰ خلافه.[١]

ترجمہ:" یہ قول امام عبد الرحمن بن مہدی کا صاف طور پر اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مستحب اور مکروہ جو 'ثواب اور عذاب' کے تحت آتے ہیں، وہ تشریعی تکلیفی احکام میں شامل نہیں ہیں، کیونکہ ان میں کوئی مشقت، لازمی اور واجب چیز نہیں ہوتی۔ یہ رائے اصولیین کی ایک بڑی جماعت کی ہے، اور اس پر بعض محدثین اور دیگر مجتہدین کا عمل بھی ہے جنہوں نے فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا ذکر کیا ہے، جبکہ ان کے برعکس وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تشریعی احکام پانچ ہیں اور یہ سب برابر ہیں، اور ان میں صرف صحیح حدیث پر ہی عمل کیا جاسکتا ہے۔ یہ قول شوکانی نے کہا تھا اور اس کی پیروی کی گئی، لیکن تحقیق اس کے خلاف ہے۔"

علامہ امیر اسماعیل صنعانی مرحوم کی ایک عبارت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قلت: وكأنهم يعنون بالأحكام الحلال والحرام وإلا الندب من الأحكام والترهيب وفضائل الأعمال ترد بما يفيده.[٢]

ترجمہ:"بندہ کی رائے یہ ہے کہ: گویا کہ وہ 'احکام' سے حلال و حرام مراد لیتے ہیں، کیونکہ حکمِ ندب (مستحب) اور ترہیب (ڈر) اور فضائل اعمال بھی احکام میں شامل ہیں۔"

---

١ المدخل إلى علم السنن للبيهقي،باب من توقّى رواية أهل العراق---،ج١،ص٣٧٢.

٢ توضيح الأفكار،مسألة:في المقلوب وأنواعه وحكمه،ج٢،ص٨٢.

مولانا محمد انور کوہستانی صاحب زید مجدہ اپنے مقالہ "ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت" میں رقم طراز ہے:

" تمام احکام ایک درجے اور مقام کے نہیں، بلکہ ان میں فرق مراتب ہے، فرض، واجب، سنت مؤکدۃ اور پھر مستحب وجواز۔ اسی طرح حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ اس کے بالمقابل احادیث میں بھی فرق مراتب ہے، حدیث متواتر، مشہور، عزیز اور غریب، اسی طرح حدیث موضوع، حدیث منکر، حدیث ضعیف۔ چونکہ استحباب اور جواز احکامات کے سلسلہ میں کم درجے کے ہیں، لہٰذا جمہور علماء نے اس سلسلہ میں نرمی سے کام لیا اور استحباب اور جواز کے ثبوت میں حدیث ضعیف کو حجت مان لیا[1]، لہٰذا جہاں جمہور علماء نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اور ترغیب وترہیب میں حجت ہے، اسی طرح انہوں نے یہ اصول بھی مقرر کیا کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جواز بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"[2]

---

[1] پچھلی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ بات بالکل درست نہیں، جمہور علماء نے ثبوتِ احکام کے باب میں ضعیف روایات کو بالکل حجت تسلیم نہیں کیا، اسی طرح اس اقتباس کے آخر میں جمہور کی جانب جو بات منسوب کی گئی ہے، وہ بھی بالکل درست نہیں بلکہ جمہور کے موقف سے واضح طور پر متصادم ہے، جس کی پوری تفصیل ذکر کردہ تفصیلات سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وعلى كل حال فإن الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون به على انفراده في الأحكام فإن هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا. شرح النووي على مسلم، ج١ص١٢٥.

ترجمہ: " بہر حال، ائمہ محدثین کبھی بھی ضعیف رواۃ سے کوئی روایت نقل نہیں کرتے جس سے وہ احکام میں اکیلے استدلال کریں، کیونکہ یہ ایسا کام ہے جو محدثین کے کسی امام یا محققین نے کیا ہو۔ باقی بہت سے فقہاء یا ان میں سے زیادہ تر اس پر عمل کرتے ہیں اور اس پر جو انحصار کرتے ہیں تو یہ درست نہیں ہے بلکہ بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔"

[2] ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت، ص ۲۱۲

کچھ سال پہلے ہندوستان کے "اسلامی فقہ اکیڈمی" نے اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا، اس میں جو حاصل و نتیجہ سامنے آیا، اس میں ایک شق یہ بھی ہے:

"نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہیں، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔"

دوسری شق یہ ہے:

"ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقدانِ عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح وثابت سے متعارض نہ ہوں، ان سے احتیاطی احکام یعنی کراہت واستحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔"[1]

## اس رائے کا اصولی تجزیہ وجائزہ

اصولی لحاظ سے یہ بات بالکل درست معلوم نہیں ہوتی، علامہ ابن مہدی رحمہ اللہ کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اور دیگر اہل علم کا اس حوالے سے موقف کیا ہے؟ ان باتوں سے قطع نظر کرکے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ:

ا: یہ خیال اس موقف کے خلاف ہے جو جمہور اہل علم کے نزدیک راجح اور معتمد ہے۔ احکام تو احکام، جمہور اہل علم کے موقف کے مطابق تو محض حدیث ضعیف کی بنیاد پر کسی چیز کی فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی، "فضائل اعمال" میں ایسی روایات پر عمل کرنے کی جو بات کی جاتی ہے، اس میں یہ قید لگائی جاتی ہے کہ نفس عمل کی فضیلت کسی دوسری دلیل شرعی سے ثابت ہو، ورنہ محض ضعیف روایت کی بنیاد پر "شرعی فضیلت" کا مدار رکھنا بھی درست نہیں ہے۔

---

[1] نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص:٢١

**علامہ شاطبی رحمہ اللہ اس خیال کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:**

وَلَا يُقَالُ: إنهم يُرِيدُونَ أَحكام الْوُجُوبِ وَالتَّحْرِيمِ فَقَطْ؛ لأَنا نَقُولُ: هَذَا تَحَكُّمٌ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ، بَلِ الأَحكام خَمْسَةٌ. فَكَمَا لَا يثبت الوجوب إلا بالصحيح، كذلك الندب والإباحة وغيرهما لا تثبت إلا بِالصَّحِيحِ فإِذا ثَبَتَ الْحُكْمُ فَاسْتَسْهِلْ أَن يَثْبُتَ فِي أَحاديث التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ، وَلَا عَلَيْكَ.[1]

ترجمہ: "اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور کے نزدیک صرف واجب اور حرام احکام مراد ہے؛ تو یہ بات درست نہیں کیونکہ کہ یہ دلیل کے بغیر محض سینہ زوری ہے، بلکہ دراصل احکامات کل پانچ ہیں۔ جیسے کہ واجب صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مستحب، اباحت اور دیگر احکام بھی صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب حکم ثابت ہو جائے، تو آسانی سے یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترغیب اور ترہیب کی حدیثوں میں بھی ثابت ہو جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

**کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حیثیت کیا ہے؟ اس مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

وأما ما يتوهم من أن الضعاف من الروايات تقبل في فضائل الأعمال –وههنا كذلك– فإن الثابت بالحديث ليس إلا بركة الغسل وهي فضيلة فالجواب عنه ما قدمنا من قبل من أن ثبوت الفضيلة إنما يكون إذا ثبت نفس ذلك العمل بنص آخر قوي بحسنه الذاتي

---

[1] الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني،الباب الرابع في مأخذ أهل البدع في الاستدلال،فَصْلٌ ،ج٢ص ٣١.

أو باجتماع غيره معه دون هذه الفضيلة فإنها ثبتت بالضعيف وههنا من تكلم في نفس الغسل لعدم الثبوت فله أن يتكلم في تلك الفضيلة أيضًا فأفهم، وحاصل ذلك أن ثبوت حكم ما لا يمكن بالضعيف من الروايات، وأما رجاء المثوبة والفضيلة فممكن الثبوت بالضعاف، لما له تعالىٰ من كرم علىٰ عباده عميم وفضل علىٰ هذه الخليفة عظيم فلا يرجىٰ منه أن يخيب راجيًا فضله لا سيما وقد ناط عليه شغله.[١]

ترجمہ:"یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ ضعیف روایات فضائل اعمال میں قبول کی جاسکتی ہیں —یہاں بھی ایسا ہی ہے—کیونکہ یہاں جو ثابت ہے وہ صرف غسل کی برکت ہے، جو کہ ایک فضیلت ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا کہ فضیلت کا ثبوت تب ہوتا ہے جب خود اس عمل کی حقیقت کسی مضبوط نص سے ثابت ہو، جو بذات خود حسن ہو یا اس کے ساتھ دوسری روایات کی وجہ سے اس کی تائید ہو، نہ کہ اس فضیلت کا جو کہ ضعیف حدیث سے ثابت ہو۔ یہاں بھی اگر کسی نے غسل کے بارے میں بات کی ہے کیونکہ اس کا ثبوت ثابت نہیں ہے، تو وہ اس فضیلت پر بھی بات کر سکتا ہے۔ پس اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف روایات سے کسی حکم کا ثابت ہونا ممکن نہیں، لیکن اجر اور فضیلت کی امید ضعیف روایات سے ثابت ہو سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بے شمار کرم اور اس خلیفہ پر عظیم فضل ہے، اس لیے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے فضل کی امید کرنے والے کو مایوس کرے۔"

---

[١] الكوكب الدري،ابواب الأطعمة،باب ما جاء في أكل البطيخ بالرطب، ج٣،ص٢٥.

۲: نیز اس بات پر غور کیا جائے کہ وجوب اور حرمت کے ثابت نہ ہونے کا اصل ومناط کیا ہے؟ کیا واجب کا واجب ہونا اور حرام کا حرام ہونا ہی اس بات کا متقاضی ہے کہ ضعیف حدیث پر اس کی بنیاد نہ رکھی جائے؟ اسی طرح مباح، مسنون اور مکروہ میں اباحت وغیرہ امور کا ہی یہ تقاضا ہے کہ ضعیف حدیث پر اس کی بنیاد رکھی جائے؟ اگر یہی چیزیں مناط حکم ہیں تو پھر ان میں اس تفریق کی اساسی وجہ کیا ہے؟ درست بات وہی ہے جو پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ احکام ثابت ہونے کی بنیاد "نسبت الی الشرع" پر ہے اور ضعیف حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لئے کوئی بھی شرعی حکم اس سے ثابت کرنا درست نہیں۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ "طواف کی دعاؤں" کے متعلق لکھتے ہیں:

"جو عمل ضعیف حدیث سے ثابت ہو، اس کو سنت سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے، جبکہ یہ دعائیں کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں، اور عوام وخواص ان کو سنت سے بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں، اس لئے یہ بہت خطرناک بدعت اور بہت بڑا گناہ ہے۔"[1]

## اصولی اور تطبیقی نقطہ نگاہ

اصولی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو:

الف: ضعیف حدیث میں ثبوت کا صرف احتمال ہوتا ہے جبکہ عدم ثبوت اور شریعت کی طرف اس کی نسبت کا عدم جواز اصل ہے۔ علامہ قرافی رحمہ اللہ کی یہ عبارت پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ:

---

[1] احسن الفتاویٰ، کتاب الحج، ج۴ص۵۷۹

قاعدة: الأصل ألا تبنىٰ الأحكام إلا علىٰ العلم لقوله تعالىٰ ﴿ولا تقف ما ليس لك به علم﴾ لكن دعت الضرورة للعمل بالظن لتعذر العلم في أكثر الصور فتثبت عليه الأحكام لندرة خطئه وغلبة إصابته والغالب لا يترك للنادر وبقي الشك غير معتبر إجماعا.[1]

ترجمہ: "ضابطہ یہ ہے کہ احکام کو صرف علم (یقین) پر مبنی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اور جس چیز کا تجھے علم نہ ہو، اس کے پیچھے نہ پڑ﴾، لیکن ضرورت کے تحت بعض اوقات ظن پر عمل کرنا پڑتا ہے کیونکہ کئی صورتوں میں یقین حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے احکام ظن پر قائم کیے جاتے ہیں، کیونکہ اس میں غلطی کا امکان کم اور صحیح ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اور عام طور پر غالب امکان کو نادر کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ، شک کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور اس پر اجماع ہے۔"

ب: نیز پہلے احتمال کو لینے کی صورت میں ایک مستحب کام پر عمل کرنے کی نوبت آسکتی ہے جبکہ دوسرے احتمال کی صورت میں "ابتداع فی الدین" اور "افتراء علی اللہ" جیسے جرائم کے ارتکاب کا اندیشہ ہے۔ استحباب اور حرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ج: ضعیف احادیث کو ثابت وحجت قرار دینے میں جلبِ مصلحت جبکہ حجیت تسلیم نہ کرنے کی صورت میں "دفع مضرت" کا پہلو نمایاں ہے، جبکہ دفعِ مضرت، جلبِ مصلحت پر مقدم ہے۔

---

[1] الذخيرة للقرافي، كتاب الطهارة، الباب الاول في الطهارة، ج١، ص١٧٧.

د:"اثباتِ حکم "اور" اثباتِ فضیلت" میں اصولی لحاظ سے کوئی معتد بہ فرق معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں مناطِ منع شریعت کی جانب نسبت کرنا ہی ہے، لہٰذا جب ضعیف حدیث سے حکمِ شرعی ثابت کرنا درست نہیں ہے تو محض اس کی بنیاد پر فضیلت کا اثبات واعتقاد بھی غلط اور بے جا ہے۔

## عوام میں تشہیر کا خطرہ

اس بات کو مدّ نظر رکھ کر یہی بات مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ضعیف روایات پر فضائل کے باب میں بھی صرف مشروط طور پر عمل کرنے کی گنجائش دی جائے اور وہ بھی محدود دائرہ میں رہتے ہوئے دی جائے، عام لوگوں میں اس کی تشہیر نہ کی جائے جیسا کہ حضرت حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ نے "تبیین العجب" میں ذکر فرمایا ہے۔

عام لوگوں سے یہ توقع رکھنا، کہ وہ ان شرائط کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور ان کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے متعلقہ حدیث کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہوں گے، بالکل بے جا ہے، جن حضرات کو عام لوگوں کے احوال سے واقفیت حاصل ہے، وہ جانتے ہیں کہ مشروط و مقید اجازت دینے کی صورت میں عام طور پر شرائط و قیودات کی رعایت نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ اس ناکارہ کا تجربہ تو یہ ہے کہ عام اصطلاح میں جو فضلاء کرام کہلاتے ہیں، ان میں سے بھی بہت سے حضرات سے یہ توقع رکھنی مشکل اور بے محل ہے۔

## اندیشہ کے وقت "بیان ضعف" کی اہمیت

محدثین کرام نے یہ جو شرائط ذکر فرمائے ہیں، یہ بہت ہی دقّت پر مبنی ہیں خاص کر "عدم اعتقادِ ثبوت" والی قید، عوام یا عام فضلاء کرام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ضعیف

روایات کے مقتضیٰ پر عمل کرتے وقت ہر مرتبہ اس شرط کالحاظ رکھیں گے، مشکل ہے۔ بہر حال جہاں کہیں مخاطب / سامعین کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ ان شرائط کا خیال نہیں رکھیں گے یا نہ رکھ سکیں گے، وہاں ایسی ضعیف احادیث سے احتراز ہی کرنا ضروری ہے، کسی جگہ بیان کرنے کی نوبت آہی جائے تو روایت کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ضعف بھی بیان کر دیا جائے۔

"مقدمہ فتح الملہم" میں ہے:

مَن جوّز العملَ بالضّعيف في الفضائل لا يجوّزه مطلقا بل يشترط له شروطا، منها أن لا يُعتقد ثبوته، وهذا لا يتيسّر إلّا ببيان ضعفه.

ترجمہ:"جو شخص ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کرنے کو جائز قرار دیتا ہے، وہ اسے مطلقاً جائز نہیں سمجھتا، بلکہ اس کے لیے چند شرائط رکھتا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی صحت پر یقین نہ کیا جائے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اس کا ضعف واضح طور پر بیان کیا جائے۔"

اس کے چند سطر بعد تحریر فرماتے ہیں:

قد نشأ مِن رواية الأحاديث الضّعيفة مِن غير بيان لضعفها ضرر عظيم عرفه مَن عرفه وجهله مَن جهله.[1]

ترجمہ:"ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کو واضح کیے بغیر روایت کرنے سے ایک بڑا نقصان پیدا ہوا ہے، جسے وہ جانتے ہیں جو جانتے ہیں اور اسے وہ نہیں جانتے جو نہیں جانتے۔"

---

[1] فتح الملهم بشرح صحيح مسلم، ج١ص١٥٨.

حضرت مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ "مقدمہ مسلم" کی شرح میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

الثّقة إذا حدّث بالخطأ فحمل عنه وهو لا يشعر أنّه خطأ يُعمل به علىٰ الدّوام للوثوق بنقله فيكون سببا للعمل بما لم يقله الشّارع.[1]

ترجمہ:" جب کوئی ثقہ راوی غلطی سے کوئی حدیث نقل کرتا ہے اور وہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ غلطی کر رہا ہے، تو اس کی روایت کو مستقل طور پر قبول کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور یہ باعث بنتا ہے کہ ایسی بات پر عمل کیا جائے جو شریعت نے نہیں کہی۔"

حدیث ضعیف کے ساتھ "بیان ضعف" اگرچہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک اصلاً ضروری نہیں، تاہم جہاں کہیں یہ اندیشہ ہو کہ لوگ سن کر اس کو "حدیث رسول" قرار دیں گے تو ایسے موقع پر "بیان ضعف" ضروری ہے، جو حضرات بہر صورت اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، ان کا موقف یہ ہے کہ بیان کرنے والے کی طرف سے تو کوئی کوتاہی / منکر متحقق نہیں ہوا، یہ بات اگرچہ درست ہے، تاہم فقہی نقطہ نظر سے صرف کسی عمل کا "مباشرت" ہی مناط احکام نہیں ہوتا بلکہ "تسبّب" کا بھی اس میں بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔

## ان شرائط کا واقعاتی جائزہ

یہاں تک کے ابحاث سے واضح ہوا کہ:

---

[1] فتح المنعم،ص٦٠.

الف: حدیث ضعیف کی بنیاد پر کوئی عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق اہل علم حضرات کی تین رائے ہیں، ان میں سے راجح رائے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ مشروط طور پر اس کی اجازت ہے بلکہ بعض اہل علم نے اس کو بہتر بھی قرار دیا۔

ب: یہ بھی واضح کیا جاچکا ہے کہ کسی چیز کو مشروط ٹھہرانے کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ اگر شرائط موجود ہوں تو متعلقہ عمل کی اجازت ہوگی اور اگر شرط مفقود ہو تو اجازت بھی ختم ہو جائے گی۔

ان شرائط کے واضح ہو جانے کے بعد اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں ان شرائط کی عملی حیثیت اور واقعاتی صورت حال کیا ہے؟ کیا لوگ ضعیف حدیث کے ساتھ تعامل میں ان شرائط کی رعایت کرتے / کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ تحقیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب تک کسی عمل کی واقعی حیثیت واضح نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ محض نظریاتی اور علمی نوعیت ہی کی چیز ہوتی ہے جس سے عملی طور پر کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، شرعی احکام کا تعلق صرف نظریاتی باتوں ہی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ عملی صورت حال سے بھی اس کا غیر معمولی ربط ہوتا ہے، اس لئے "فتوی" کا حاصل بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ درپیش قضیہ میں شریعت کے حکم کا نام ہے۔

اس لئے جب عام معاشرے کا جائزہ لیا جاتا ہے تو افسوس کے ساتھ یہی سامنے آتا ہے کہ لوگ نہ صرف یہ کہ عملی طور پر ان شرائط کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے بلکہ ان طبائع سے اس کی توقع رکھنا ہی دور اندیشی کے خلاف ہے۔ اپنے اس تجربے کو ایک طرف رکھنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب و عجم میں سے جن حضرات کو بھی عوام کے ساتھ ربط و تعلق رہا اور ساتھ ان شرائط کے حوالے سے لوگوں کی

صورت حال پر نظر رہی، ان کا بالعموم یہی تجربہ رہا ہے اور بہت سے حضرات نے اس کا اظہار واعلان بھی فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کے "فتاوی" میں ہے:

"ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱۔۔اس میں یہ شرط ہے کہ اس عمل کو سنت نہ سمجھا جائے۔

اور حال یہ ہے کہ عوام تو درکنار خواص بلکہ مشہور علماء اور مقتداء حضرات بھی ایسے اعمال کو سنت سمجھتے ہیں، بالخصوص شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "ماثبت بالسنۃ" کا نام دیکھ کر اس میں مذکورہ سب اعمال کو مسنون سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں بھی اکثر روایات اسی قسم کی ہیں"۔۔"[1]

## ضعیف روایات پر بے قید عمل کرنے کی مضرتیں

ضعیف روایات اوران کے مفہوم پر عمل کرنا اگر ان شرائط کے مطابق ہو جو گزشتہ سطور میں تحریر کی گئیں ہیں تو مضائقہ نہیں، بلکہ احتیاط کا تقاضا اور تدیّن کا نتیجہ و ثمرہ ہے، تاہم اگر اس سلسلہ میں طے شدہ شرائط کی رعایت نہ رکھی جائے تو دینی لحاظ سے اس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے مضرت ہے، ذاتی لحاظ سے مضرت کا تو گزشتہ سطور میں "پانچ خرابیوں" کے ضمن ذکر کیا گیا ہے۔

اجتماعی لحاظ سے دینی مضرت یہ ہے کہ جب کوئی عالمِ دین یا دینی لحاظ سے مقتدا کی حیثیت رکھنے والے حضرات عوام کے سامنے ایسے امور کی پابندی کرتے ہیں جو محض ضعیف روایات ہی کی بنیاد پر "ثابت" ہوتی ہیں، یا ایسے فضائل سناتے ہیں جو محض ضعیف

---

[1] احسن الفتاوی، تتمہ، عمل بالحدیث الضعیف میں مفاسد، ج۱۰ص۱۲۳

روایات ہی میں ذکر ہوتے ہیں تو لوگ اس کو دین کا حصہ سمجھنا شروع کرتے ہیں، کم از کم مستحب یا مسنون خیال کرتے ہیں، اور اگر کسی بات کو حضور ﷺ کی جانب منسوب کرتے ہوئے دیکھا سنا تو فوراً اس کو حضور ﷺ کی جانب منسوب کرنا شروع کرتے ہیں۔

## علامہ طرطوشی رحمہ اللہ کا نفیس نکتہ

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی مفید کتاب "طبقات الشافعیۃ" میں "صلاۃ رغائب" کے ضمن میں علامہ ابو الولید طرطوشی رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں ایک بڑی دلچسپ بات نقل کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُو بكر مُحَمَّد الطرطوشي إِنَّهَا لم تحدث بِبَيْت الْمُقَدّس إِلَّا بعد ثَمَانِين وَأَرْبَعمِائَة من الْهِجْرَة وَهِي مَعَ ذَلِك مُخَالفَة للشَّرْع من وُجُوه يخْتَص الْعلمَاء بِبَعْضِهَا وَبَعضهَا يعم الْعَالم وَالْجَاهِل فَأَما مَا يخْتَص بِهِ الْعلمَاء فضربان أَحدهمَا أَن الْعَالم إِذا صلاهَا كَانَ موهما للعامة أَنَّهَا من السّنَن فَيكون كَاذِبًا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِلِسَان الْحَال ولسان الْحَال قد يقوم مقَام لِسَان الْمقَال. الثَّانِي أَن الْعَالم إِذا فعلهَا كَانَ متسببا إِلَى أَن تكذب الْعَامَّة على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فيقولوا هَذِه سنة من السّنَن والتسبب إِلَى الْكَذِب على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَا يجوز.[1]

ترجمہ: "امام ابو بکر محمد الطرطوشی نے کہا: 'یہ عمل بیت المقدس میں ۴۸۰ ہجری کے بعد شروع ہوا، یہ عمل شریعت سے کئی لحاظ سے متعارض ہے، جن میں سے کچھ خاص

---

[1] طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، ج۸ص۲۵۲.

طور پر علماء کے لیے ہیں اور کچھ عام طور پر عالم اور جاہل دونوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جتنا کہ وہ بات جو خاص طور پر علماء سے متعلق ہے، وہ دو طرح کی باتیں ہے۔ پہلی یہ کہ جب عالم اسے ادا کرتا ہے، تو وہ عوام کو یہ تاثر دے رہا ہوتا ہے کہ یہ سنتوں میں شامل ہے، اور وہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول رہا ہوتا ہے، حالانکہ یہ جھوٹ زبانِ حال سے ہے اور زبانِ حال کبھی کبھار زبانِ مقال کی جگہ لے لیتی ہے۔ دوسری یہ کہ جب عالم اسے کرتا ہے، تو وہ عوام کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بول کر کہے کہ یہ سنتوں میں سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کا سبب بننا جائز نہیں ہے۔

## ضعیف حدیث کی حجیت کا موقف

متعدد اہل علم حضرات کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف احادیث سے بھی احکام کے بارے میں استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس باب میں بھی ضعیف حدیث حجت ہے، کہیں تو یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر ہوتی ہے اور کبھی صراحت تو نہیں ہوتی لیکن بہر حال عبارت کا مقصود و مفہوم یہی نکلتا ہے۔ مثال کے طور پر امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال العلماءُ من المحدّثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويُستحبّ العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً .وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يُعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا وردَ حديثٌ ضعيفٌ

بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحبَّ أن يتنزّه عنه ولكن لا يجب.[1]

ترجمہ: "محدثین، فقہاء کرام اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ: فضائل، ترغیب و ترہیب (نیکیوں کی ترغیب دینے اور برائیوں سے ڈرانے) میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے جب تک کہ وہ موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔ لیکن جہاں تک احکام کا تعلق ہے جیسے حلال و حرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہ، تو ان میں صرف صحیح یا حسن حدیث پر ہی عمل کیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ اگر کسی معاملے میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہو۔ جیسے اگر کوئی ضعیف حدیث کسی بیع یا نکاح کی کراہت کے بارے میں آئی ہو، تو مستحب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے، لیکن یہ فرض نہیں"۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الاستحباب يثبت بالضعف غير الموضوع.[2]

---

[1] الأذكار للنووي ت الأرنؤوط،مقدمة المؤلف،فصل:في الأمر بالإخلاص وحسن النيّات في جميع الأعمال الظاهرات والخفيَّات، ج۱ص ۸.

۲ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ کی اس عبارت سے عام طور پر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حدیث ضعیف سے استحباب کا حکم ثابت ہو سکتا ہے، لیکن اس ناکارہ کو اس میں تامل ہے، اگر علامہ رحمہ اللہ کی عبارت کو سیاق وسباق سے پورا دیکھ لیا جائے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حدیث ضعیف سے اصطلاحی حدیث ضعیف مراد نہیں ہے جو صحیح (لعینہ ولغیرہ) اور حسن (لعینہ ولغیرہ) سے کم درجے کا ہو بلکہ اس سے ایسی ضعیف حدیث مراد ہے جو فی نفسہ تو ضعیف ہو لیکن تعدّد طرق کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جائے۔ یہ توجیہ درست نہ ہو تو بھی اس کا مناسب اور بے غبار محمل وہی ہے جو محقق دوانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے آئندہ سطور میں ذکر کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ حضرت کی پوری عبارت یہ ہے:

وإنما لم نذكره نحن من السنن لأنه قال فيهما «اذهب فوار أباك ثم لا تحدث شيئا حتى تأتيني، فذهبت فواريته وجئته، فأمرني فاغتسلت ودعا لي» وليس فيه الأمر بغسله إلا ما قد يفهم من طريق الالتزام الشرعي بناء على ما عرف من أنه لم يشرع الغسل إلا من غسل الميت دون دفنه وتكفينه،

ترجمہ:" استحباب (یعنی کسی عمل کا مستحب ہونا) ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے جب تک کہ وہ حدیث موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔

بہت سے اہل علم (جن میں فقہ اور شروح حدیث کی کتابوں کے متعدد مستند مصنفین بھی داخل ہیں) کے تعامل سے بھی بعض اوقات یہی مترشح ہوتا ہے کہ شاید کسی چیز کی فضیلت یا استحباب ثابت کرنے میں ضعیف حدیث کا بھی اعتبار ہے، بعض کتابوں میں کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے باوجود بھی اس سے استدلال کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض جگہ یہ صراحت بھی کی جاتی ہے کہ چونکہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، جائز ہے۔

---

وهو ما رواه أبو داود عن عائشة «كان – عليه الصلاة والسلام – يغتسل من الجنابة ويوم الجمعة وغسل الميت» وهو ضعيف.وروى هو والترمذي مرفوعا «من غسل ميتا فليغتسل، ومن حمله فليتوضأ» حسنه الترمذي وضعفه الجمهور، وليس في هذا ولا في شيء من طرق علي حديث صحيح، لكن طرق حديث علي كثيرة، والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع.فتح القدير للكمال ابن الهمام،بَابُ الْجَنَائِزِ،فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ، ج۲ص ۱۳۳.

ترجمہ:" ہم نے اسے سنتوں میں ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں کہا گیا ہے: « " جاؤ اور اپنے والد کو دفن کرو، پھر مجھ سے ملنے تک کوئی بات نہ کرو۔ میں گیا، والد کو دفن کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا اور میرے لیے دعا کی۔ ،اور اس میں غسل کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ یہ معروف ہے کہ غسل صرف اس شخص کے بارے میں ہے جو میت کو غسل دے، نہ کہ اس کے دفن اور تکفین سے پہلے۔ ابو داود نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ « نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت، جمعہ کے دن اور میت کے غسل سے غسل کرتے تھے » ، اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابو داود اور ترمذی نے مرفوعاً روایت کیا: « جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے، اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے » ، ترمذی نے اسے حسن کہا، جبکہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا۔ نہ تو اس میں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی طریقے میں صحیح حدیث موجود ہے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی طرق ہیں، اور الاستحباب (یعنی کسی عمل کا مستحب ہونا) ضعیف حدیث سے ثابت ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔

## ان متضاد عبارات کا اصولی تجزیہ و توجیہ

امام نووی اور علامہ ابن الہمام کی ان عبارات اور مختلف اہل علم کے اس تعامل سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف روایات سے بھی احکام ثابت ہوسکتے ہیں اور فضائل کے باب میں اس سے مستحب احکام ثابت ہوسکتے ہیں، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے تو اس کی پوری صراحت فرمائی ہے۔ حالانکہ اصولی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو جب حدیث ضعیف دلیل شرعی نہیں ہے تو اس سے کسی عمل کا شرعی استحباب یا فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ ان عبارات اور تعامل کا کیا کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ اصولی زاویہ نگاہ سے ان عبارات کو درج ذیل دو باتوں میں سے کسی ایک پر محمول کیا جاسکتا ہے:

۱: چونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور بہت سے اہل علم کا موقف یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث مطلقاً معتبر ہے، اس لئے علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کی درج بالا عبارت اور اس کی طرح دیگر صریح عبارتوں کو اسی موقف پر محمول کرلیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ حضرات اسی موقف کے قائل تھے۔ یہ موقف بے غبار ہے، تاہم یہ احتیاط ضروری ہے کہ متعلقہ مصنفین کرام کی دیگر کتابوں اور عبارات کو بھی اچھی طرح دیکھا جائے تاکہ کسی کی تصریحات کے بغیر اس کی طرف کوئی موقف منسوب نہ کی جائے۔ جہاں کہیں کسی معتمد مصنف کی عبارات میں تعارض ہو اور کسی ایک پہلو کو ترجیح دینا مشکل ہو، وہاں دوسری توجیہ ہی زیادہ مناسب ہوگی۔

۲: ایسی عبارات کی مناسب توجیہ کرکے جمہور کے موقف کے مطابق کرلیا جائے، ان کے لئے ایسا محمل تلاش کرلیا جائے جس کے بعد یہ جمہور کے موقف کے خلاف نہ رہے۔

چونکہ جمع و تطبیق، ترجیح پر اور وہ تخطئہ پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے ان دو ممکنہ باتوں میں سے یہی دوسری بات ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## علامہ دوانی رحمہ اللہ کی مناسب توجیہ

ان جیسی عبارات کا درست اور ایک مناسب محمل وہی ہے جو محقّق دوانی نے اپنی کتاب "انموذج العلوم" میں ذکر فرمایا ہے[1]۔ کچھ تغیر کے ساتھ اس کا حاصل یہ ہے[2] کہ:

فضائلِ اعمال کے باب میں بھی ضعیف حدیث سے استفادہ کرنے کی کچھ شرائط ہیں جن میں سے ایک بنیادی اور اہم شرط یہ ہے کہ:

۱: عمل کرتے وقت ضعیف روایت کا مفہوم شریعت کی جانب ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

۲: دوسری شرط یہ ہے کہ جس عمل کی فضیلت میں ایسی روایت وارد ہو وہ کسی دوسرے مسلمہ شرعی اصول کے تحت داخل ہو۔ ان دو شرائط کی موجودگی میں ضعیف احادیث کا بھی ایک حد تک شرعاً اعتبار ہے اور ان کے مطابق عمل درآمد کیا جاسکتا ہے

---

[1] علامہ دوانی کی یہ کتاب تو اس وقت اس ناکارہ کے پاس نہیں ہے، تاہم علامہ عبد الحی لکھنوی اور علامہ جمال الدین قاسمی وغیرہ حضرات نے آپ کا تفصیلی موقف نقل فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: علامہ لکھنوی کی کتاب "الاجوبۃ الفاضلۃ" اور علامہ قاسمی کی کتاب "قواعد التحدیث"۔

[2] جو حضرات حدیث ضعیف کے باب میں توسع کے قائل ہیں اور اس کی بنیاد پر شرعی فضیلت اور استحباب تک ثابت ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے بعض حضرات کے ساتھ گفت وشنید کرتے وقت ان کا یہ تحفظ بھی معلوم ہوا کہ محقّق دوانی تو محدث ہے اور نہ علم حدیث کے ساتھ اس کا کوئی خاص ربط و تعلق رہا ہے، اس لئے اس باب میں ان کی توجیہ کا کوئی اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اس ناکارہ کے خیال میں یہ تحفظ کچھ زیادہ لائق التفات نہیں ہے اور محض اتنی سی بات کو بنیاد بنا کر ان کی اس توجیہ و تحقیق کو رد کرنا قرینِ انصاف نہیں ہے، وہ محدث ہو یا نہ لیکن بہر حال اس کی توجیہ اصولی لحاظ سے بہت مناسب ہے اور علامہ لکھنوی وغیرہ متعدد نامور و معتمد محدثین نے اس کی تصویب و ترحیب فرمائی ہے۔

لیکن ایسی صورت میں عمل کی فضیلت یا استحباب خود اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر ثابت نہیں ہو گا بلکہ دیگر شرعی دلائل کی بنیاد پر یہ عمل کرنا بہتر قرار پائے گا۔

مثال کے طور پر متعدد نصوص سے اس بات کی ترغیب ثابت ہوتی ہے کہ دین کے معاملہ میں احتیاط سے کام لیا جائے، اب اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ جس کا استحباب تو ثابت نہ ہو لیکن اصل عام کے تحت داخل ہو اور ضعیف حدیث کی وجہ سے اس کے مقتضی کو شرعی لحاظ سے مستحب تو نہ قرار دیا جا سکے لیکن اصل عام کے تحت ہونے کی بنیاد پر اس کی ترغیب دی جائے، تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا بہتر ہے اور اس کے بہتر ہونے کی اصل واساس ضعیف حدیث نہیں ہے بلکہ احتیاط سے متعلقہ نصوص ودلائل ہیں۔

علامہ ابو سعید خادمی رحمہ اللہ، فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر عمل بہتر قرار دینے سے متعلق، علامہ دوانی رحمہ اللہ کا اشکال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأورد العلامة الدواني أن مآل الفضائل راجع إلى واحد من الأحكام الشرعية فلا وجه لتقييد كالجواز والاستحباب فيلزم ثبوت نحو الاستحباب بالحديث الضعيف، وقد تقرر أن شيئا من الأحكام لا يثبت بالحديث الضعيف.

ترجمہ:" علامہ الدوانی نے ذکر کیا کہ فضائل بھی انجام کار ایک شرعی حکم کی طرف لوٹتے ہیں، اس لیے جواز اور استحباب جیسے قیود لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لہذا ضعیف حدیث سے استحباب کے ثابت ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی شرعی حکم ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد خود علامہ دوانی کے جواب کا حاصل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والتعويل أن يقال إن ذلك فيما لم يحتمل للحظر، فإنه حينئذ يجوز ويستحب للأمن من الحظر ورجاء النفع فعمل بالاحتياط.[1]

ترجمہ:" خلاصہ یہ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی عمل میں کسی قسم کی ممانعت کا امکان نہ ہو، تو پھر اس میں جواز اور استحباب جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت ممانعت کا خطرہ نہیں ہوتا اور فائدے کی امید کی جاتی ہے، اس لیے احتیاطاً عمل کیا جاتا ہے"۔

## علامہ دوانی کی توجیہ پر بعض تحفظات کا ازالہ

بعض اہلِ علم نے جن بنیادوں پر علامہ دوانی مرحوم کی اس توجیہ کو قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ علامہ دوانی کوئی محدث یا فقیہ و اصولی نہیں تھے، ان کی زندگی معقولات کی خدمت کرتے کرتے گزری ہے، پھر یہاں اس کی توجیہ کو کیوں وقعت دی جائے[2]! اس کے جواب میں یہی کہنا مناسب ہے کہ:

الف: ایسا کہنا اور ایسی توجیہات کے قبول کرنے سے محض صاحب فن کی شہرت نہ ہونے کی بنیاد پر قبول نہ کرنا قطعاً بے جا بات اور بالکل خلاف انصاف و دیانت کام ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اسی کا فضل و کرم ہی ہے جو کسی کو کوئی علمی گُر سکھائے، جس کے دل و دماغ میں جو توجیہ بٹھائے، اس پر اشکال کرنے کا کیا تُک ہو سکتا ہے؟ ہاں البتہ اگر اس توجیہ میں کوئی علمی کمزوری یا اصولی سقم موجود ہے تو اس پر بات کی جا سکتی ہے اور سقم ثابت ہونے کی صورت میں اس کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية،الباب الأول الاعتصام بالكتاب والسنة،الفصل الثاني في بيان البدع،أنواع البدعة وأحكامها، ج١ص١١٥.

[2] احقر نے اپنے بزرگ و مخدوم حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب زید مجدہم سے اس موضوع پر مذاکرہ کیا تو اس میں حضرت نے بھی یہ اشکال ذکر کیا۔

ب: یہ توجیہ صرف علامہ دوانی رحمہ اللہ ہی نے نہیں کی، بلکہ دیگر اہل علم بھی اس کو کرتے آئے ہیں اور غالب گمان یہی ہے کہ ان اہل علم نے علامہ دوانی مرحوم کی درج بالا کتاب نہیں پڑھی۔ اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ علامہ عبد الحی لکھنوی اور علامہ جمال الدین قاسمی صاحبان رحمہما اللہ، دونوں وسیع المطالعہ شخصیات تھیں، انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ توجیہ نقل کی اور وہی سے اس کو اس موضوع کی کتابوں میں شہرت ورواج نصیب ہوا، ورنہ یہ توجیہ انہی کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ دیگر علمائے کرام بھی مختلف طریقوں سے اس کے قائل رہے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الأحاديث الواردة في فضل التطوع بعد صلاة المغرب ضعاف إلا أن الرواية الضعيفة معتبرة في فضائل الأعمال، ولا يذهب عليك أن المراد بقولهم هذا ليس اعتبار الرواية الضعيفة في كل ما ورد من الفضائل مطابقًا للأصول أو مخالفًا مثبتًا فضل العمل الجائز أو الغير الجائز حتى يرد عليه أن ذلك يخالف ما مهدوا من قاعدتهم أن الحديث الضعيف لا يثبت به حكم بل المراد أنه إذا كان الأمر جائزًا في نفسه من حيث الشرع كالنفل بعد المغرب في مسألتنا ثم وردت في إثبات فضله رواية قبلت على ضعفها فأنا لم نثبت الحكم بهذه الرواية بل فضل الصلاة مطقًا ثابت بالروايات الصحيحة، ولما رجا من الله نيل مرتبة واجتهد في تحصيله بظنه نرجو أن يناله بفضله.[1]

---

[1] الكوكب الدري على جامع الترمذي،قوله باب ما جاء في فضل التطوع،ج١ص٣٨٤.

ترجمہ:" تمام وہ احادیث جو نماز مغرب کے بعد نفل کے فضائل کے بارے میں آئی ہیں، وہ ضعیف ہیں، لیکن فضائلِ اعمال میں ضعیف روایت کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ضعیف روایت کو فضائلِ اعمال میں معتبر سمجھا جاتا ہے، تو مراد یہ نہیں کہ ہر ضعیف روایت کو فضائلِ اعمال میں اصل قواعد کے مطابق یا ان کے مخالف طور پر قبول کیا جائے، تاکہ وہ عمل جائز یا ناجائز ہو کر اس پر کوئی فضیلت ثابت کی جائے۔ اس پر اعتراض آسکتا ہے کہ یہ اس اصول کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی عمل خود شرعاً جائز ہو، جیسے مغرب کے بعد نفل نماز پھر اس کے فضائل کے بارے میں ضعیف روایت آجائے، تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ہم اس ضعیف روایت سے کوئی حکم نہ نکالیں، بلکہ اس فضیلت کو صحیح روایات سے ثابت سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مرتبے کی توقع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے فضل سے اسے پائے گا"۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حیثیت کیا ہے؟ اس مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

وأما ما يتوهم من أن الضعاف من الروايات تقبل في فضائل الأعمال -وههنا كذلك- فإن الثابت بالحديث ليس إلا بركة الغسل وهي فضيلة فالجواب عنه ما قدمنا من قبل من أن ثبوت الفضيلة إنما يكون إذا ثبت نفس ذلك العمل بنص آخر قوي بحسنه الذاتي أو باجتماع غيره معه دون هذه الفضيلة فإنها ثبتت بالضعيف وههنا من تكلم في نفس الغسل لعدم الثبوت فله أن يتكلم في تلك الفضيلة أيضًا فأفهم، وحاصل ذلك أن ثبوت حكم ما لا يمكن

بالضعيف من الروايات، وأما رجاء المثوبة والفضيلة فممكن الثبوت بالضعاف، لما له تعالىٰ من كرم علىٰ عباده عميم وفضل علىٰ هذه الخليفة عظيم فلا يرجىٰ منه أن يخيب راجيًا فضله لا سيما وقد ناط عليه شغله.[1]

ترجمہ:" یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ ضعیف روایات فضائل اعمال میں قبول کی جا سکتی ہیں ـــ یہاں بھی ایسا ہی ہے ـــ کیونکہ یہاں جو ثابت ہے وہ صرف غسل کی برکت ہے، جو کہ ایک فضیلت ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا کہ فضیلت کا ثبوت تب ہوتا ہے جب خود اس عمل کی حقیقت کسی مضبوط نص سے ثابت ہو، جو بذات خود حسن ہو یا اس کے ساتھ دوسری روایات کی وجہ سے اس کی تائید ہو، نہ کہ اس فضیلت کا جو کہ ضعیف حدیث سے ثابت ہو۔ یہاں بھی اگر کسی نے غسل کے بارے میں بات کی ہے کیونکہ اس کا ثبوت ثابت نہیں ہے، تو وہ اس فضیلت پر بھی بات کر سکتا ہے۔ پس اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف روایات سے کسی حکم کا ثابت ہونا ممکن نہیں، لیکن اجر اور فضیلت کی امید ضعیف روایات سے ثابت ہو سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بے شمار کرم اور اس خلیفہ پر عظیم فضل ہے، اس لیے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے فضل کی امید کرنے والے کو مایوس کرے۔"

ان دونوں عبارات سے واضح ہوا کہ:

۱: فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث قبول ہونے کی بات بھی غلط نہیں اور ضعیف احادیث سے شرعی احکام کے ثابت نہ ہونے کی بات بھی درست ہے۔

---

[1] الكوكب الدري،أبواب الأطعمة،باب ما جاء في أكل البطيخ بالرطب، ج٣،ص٢٥.

۲: ان دونوں باتوں کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ جہاں کسی عمل کی فضیلت صحیح شرعی دلائل سے ثابت ہو اور پھر اس کی فضیلت میں کوئی ضعیف حدیث وارد ہو جائے تو اس فضیلت کو شرعی طور پر ثابت تو نہیں کہیں گے، تاہم چونکہ اصل عمل کی فضیلت ثابت ہے، اس لئے کوئی اس امید پر اہتمام کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل و کرم سے امید کی جاسکتی ہے کہ مطلوبہ درجہ حاصل ہو جائے گا۔

اب اس توجیہ کو علامہ دوانی مرحوم کی توجیہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی معتد بہ فرق باقی نہیں رہتا۔

## ایک مفید فقہی نظیر

حضرات فقہائے حنفیہ "حظر واباحت" کے باب میں یہ مسئلہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ کس قسم کے مسائل میں کن افراد کی بات معتبر ہو گی؟ مختلف حوادث میں مختلف افراد کی بات قبول کرنے نہ کرنے کا معیار کیا ہو گا؟ اس ضمن میں وہ ذکر فرماتے ہیں کہ معاملات میں ایک آدمی کی بات معتبر ہو گی چاہے وہ عادل نہ بھی ہو اور "دیانات" میں کسی کی بات معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل بھی ہو، لہٰذا "معاملات" میں ہر شخص کی بات قبول کی جاسکتی ہے، وہ عادل ہو یا فاسق، جب کہ "دیانات" میں عادل شخص کی خبر واحد ہی قبول کی جاسکتی ہے۔

"ہدایہ" میں ہے:

"ویقبل في المعاملات قول الفاسق، ولا یقبل في الدیانات إلا قول العدل". ووجه الفرق أن المعاملات یکثر وجودها فیما بین أجناس الناس، فلو شرطنا شرطا زائدا یؤدي إلی الحرج فیقبل قول الواحد فیها عدلا کان أو فاسقا کافرا أو مسلما عبدا أو حرا ذکرا أو أنثی

دفعا للحرج. أما الديانات فلا يكثر وقوعها حسب وقوع المعاملات فجاز أن يشترط فيها زيادة شرط، فلا يقبل فيها إلا قول المسلم العدل؛ لأن الفاسق متهم والكافر لا يلتزم الحكم فليس له أن يلزم المسلم.[١]

ترجمہ:" معاملات میں فاسق کا قول قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن عبادات میں صرف عادل کا قول قبول کیا جاتا ہے۔"اس فرق کی وضاحت یہ ہے کہ معاملات لوگوں کے مختلف طبقات کے درمیان بہت زیادہ ہوتی ہیں، تو اگر ہم اس میں کوئی اضافی شرط لگائیں تو یہ تکلیف کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے معاملہ میں ایک شخص کا قول قبول کیا جاتا ہے چاہے وہ عادل ہو، فاسق ہو، کافر ہو، مسلم ہو، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، تاکہ مشکلات سے بچا جاسکے۔ لیکن عبادات اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی معاملات ہوتی ہیں، اس لیے اس میں اضافی شرط لگائی جاسکتی ہے، اور اس میں صرف عادل مسلم کا قول ہی قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ فاسق بدنام ناقابل اعتبار ہوتا ہے اور کافر حکم کو نہیں مانتا، لہذا وہ مسلم پر کسی حکم کو لازم نہیں کرسکتا"۔

"الاختیار"میں ہے:

قال: (ولا يقبل في الديانات إلا قول العدل حرا كان أو عبدا، ذكرا أو أنثى) لأن الصدق فيه راجح باعتبار عقله ودينه، سيما فيما لا يجلب له نفعا ولا يدفع عنه ضررا، ولهذا قبلت رواية الواحد العدل للأخبار النبوية، وإنما اشترطنا العدالة لأنها مما لا يكثر وقوعها كثرة

---

[١] الهداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، ج٤، ص٣٦٤.

المعاملات، ولأن الفاسق متهم والكافر غير ملتزم لها فلا يلزم المسلم بقوله، بخلاف المعاملات.[1]

ترجمہ: "عبادات میں صرف عادل کا قول قبول کیا جاتا ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت"، کیونکہ صداقت اس میں غالب ہوتی ہے، اس کے عقل اور دین کی وجہ سے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں اس کو کوئی فائدہ نہ ہو اور نہ ہی اس سے کسی نقصان کا خطرہ ہو۔ اس لیے واحد عادل کی روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں قبول کیا گیا ہے۔ ہم نے عدلت کو اس لیے شرط بنایا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو معاملات کی طرح کثرت سے وقوع پذیر نہیں ہوتی، اور کیونکہ فاسق ناقابل اعتبار بدنام ہوتا ہے، اور کافر اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے وہ مسلم پر اس کے قول کو لازم نہیں کر سکتا۔ یہ معاملات کے برعکس ہے"۔

غور کیا جائے تو اس فقہی بحث کی روشنی میں حدیث ضعیف کا حقیقی مقام اور اس کی واقعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کا تعلق بھی یقیناً "دیانات" کے ساتھ ہے اور دیانات میں عادل شخص ہی کی بات معتبر ہوتی ہے، ضعیف حدیث کے روات عام طور پر عدالت کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لئے کسی چیز کو حدیث ٹھہرانے اور شریعت کا حصہ قرار دینے میں ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

## ایک ممکنہ اشکال اور اس کا جواب

اس پر یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ "ضعف حدیث" کی وجہ صرف عدالت کا فقدان ہی تو نہیں ہے بلکہ بعض اوقات ضبط نہ ہونے وغیرہ کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے؟

---

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية،فصل في مسائل مختلفة، ج٤،ص١٦٣.

اس کا جواب یہ ہے کہ "ہدایہ" اور "اختیار" کی درج بالا دونوں عبارتوں سے عدالت کی شرط لگانے کی اصل واساس واضح ہو جاتی ہے کہ فسق تہمت کا باعث ہے اور فاسق متّہم ہوتا ہے، اس لئے خبر دینے والے کا عادل ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ اب دیانات کی جو مثالیں حضرات فقہائے کرام اس ضمن میں ذکر فرماتے ہیں مثال کے طور پر پانی کا پاک وناپاک ہونا، جانور کا شرعی طریقے سے ذبح ہونا نہ ہونا، وہاں تو عادل ہونے سے ہی یہ تہمت زائل ہو جاتی ہے کہ یہ چیزیں مشاہدہ کی ہیں، لیکن روایات کے باب میں محض عدالت سے یہ ضرورت پوری نہیں ہوتی بلکہ ضبط کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جہاں عدالت یا ضبط مشکوک ہو، وہاں تہمت کی فضاء برابر برقرار رہتی ہے، اس لئے روایات کے باب میں صرف عدالت کا ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ضبط وغیرہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

## ائمہ محدثین کی عبارات سے استدلال کا تجزیہ

جو حضرات ضعیف حدیث کو اپنی واقعی حد سے کچھ زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور محض اس کی بنیاد پر بھی کسی عمل کو مستحب یا افضل قرار دیتے ہیں، وہ عام طور پر استدلال میں متعدد ائمہ محدثین کرام کے اقوال وعبارات ذکر کرتے ہیں اور ان عبارات کی بنیاد پر ان کا خیال یہ ہے کہ یہ امت کا اجماعی یا کم از کم اکثری موقف رہا ہے۔ ان جیسی عبارات کو سیاق وسباق کے ساتھ دیکھنے اور بار بار غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں سے اکثر عبارات ایسی ہیں جن سے یہ استدلال کرنا "اصول استدلال" کی روشنی میں بالکل درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر عبارات ایسی ہی ہیں جن میں یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے کہ:

۱: ضعیف احادیث وروایات پر بعض مخصوص ابواب میں یا یوں ہی بلا قید عمل کیا جاسکتا ہے۔

۲: ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں قابل اعتبار ہے۔

۳: فضائل اعمال وغیرہ بعض مخصوص ابواب کے اندر ضعیف احادیث میں بھی تساہل وتسامح سے کام لے لینا چاہئے۔

۴: ضعیف احادیث کے مضمون پر عمل کرنا مستحب ہے۔

ان میں سے پہلی تین قسم کی عبارات تو ایسی ہیں جو اپنے دعوی کے ساتھ کوئی زیادہ مطابقت نہیں رکھتیں۔ حدیث کے مضمون پر عمل کے جائز ہونے یا اس میں تسامح وتساہل کرنے سے یہ بالکل بھی لازم نہیں آتا کہ وہ احکام کے باب میں حجت قرار پائے، اسی طرح "قابل اعتبار" ہونا بھی حجیت کے مترادف یا اس کے ساتھ مستلزم نہیں، بلکہ اس کے مختلف درجات ومراتب ہیں جن میں حجیت سے کم تر بھی درجہ بھی ہے۔

ہاں البتہ چوتھی قسم کی عبارات ایسی ہیں جن کو بادی النظر سے دیکھا جائے تو استدلال درست ہو سکتا ہے بلکہ بسا اوقات لگتا ہے کہ یہ عبارات اس باب میں صریح معلوم ہوتی ہیں، لیکن غور کیا جائے تو اس میں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ یہ استحباب خود اسی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہو یا اس سے تو کوئی شرعی حکم ثابت نہ ہو بلکہ صرف شک ہی ثابت ہو، تاہم دین وعبادات کے باب میں احتیاط، مسارعت اور تنافس جیسی نصوص کی بنیاد پر احتیاط کے درجہ میں یہ استحباب ثابت ہو؟ تفاہم اور تبادر کے لحاظ سے یہ احتمال اگر کچھ کمزور بھی محسوس ہو، تو بھی چونکہ اصولی لحاظ سے یہی صورت درست معلوم ہوتی ہے، اس لئے اسی کو لینا انسب ہے۔

## حجیت اور عمل کا فرق

حاصل یہ ہے کہ ضعیف روایات کے مفہوم پر عمل کرنے اور اس کو حجت قرار دینے میں فرق ہے، جن عبارات کو بنیاد بنا کر ضعیف احادیث کی بنیاد پر اعمال کا استحباب اور ان کے مختلف فضائل ثابت کیے جاتے ہیں، ان میں عمل کرنے کا ذکر ہے، ایسی روایات کی حجیت ہونے کی بات نہیں، کسی چیز پر عمل کرنے اور اس کو حجت سمجھنے میں بڑا فرق ہے، ان دونوں باتوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بڑی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔

## دونوں پہلوؤں کے فوائد و مفاسد کا تجزیاتی مقارنہ

دیگر باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے خالص علمی واصولی نقطہ نظر سے غور کیا جائے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں کیا دینی فائدہ یا مفسدہ ہے اور نہ کرنے میں کیا مضرت و نفع ہے؟ اگر عمل کرنے میں ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے جو جمہور اہل علم نے متعین فرمائی ہیں اور اس عمل کو بھی حدود کے اندر رکھا جائے تو اس میں خاطر خواہ مضرت تو کوئی نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ ایک ممکنہ نیکی کا ثواب حاصل کیا جاتا ہے، یہاں عمل سے ان شرائط کے بغیر عمل کرنا مراد ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں:

الف: فائدہ یہ ہے کہ ممکنہ شرعی دلیل پر عمل کرنے کی نوبت حاصل ہو جاتی ہے، ممکنہ نیکی پر عمل کرنے کی سعادت ہاتھ آجاتی ہے۔ یہاں دونوں جگہ "ممکنہ" اس لئے کہا کہ خبر ضعیف چونکہ شرعی احکام میں حجت نہیں، اس لئے اس کی بنیاد پر کسی عمل کو نیکی قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو شرعی دلیل کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

ب: نقصان یہ ہے کہ خود عمل کرنے والا بھی، دیگر لوگ بھی اس کو دینی حکم کا درجہ دیں گے، اس کو شریعت کا حکم یا اس کی طرف سے بیان کی گئی فضیلت کا مرتبہ دیں گے، جو خدا اور رسول پر افتراء، دین میں ابتداع کے مترادف یا اس کا مستوجب ہے۔

**حدیث ضعیف پر عمل نہ کرنے میں:**

الف: نقصان یہ ہے کہ ایک ممکنہ ثواب سے آدمی محروم رہ جاتا ہے۔

ب: فائدہ یہ ہے کہ دین کی حفاظت ہو جاتی ہے، عمل کرنے کی صورت میں جن بڑے اور خطرناک گناہوں کا اندیشہ تھا، ان سے حفاظت نصیب ہو جاتی ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو انصاف واتقان کی نظر سے دیکھا جائے تو عمل کرنے کی صورت میں جس نقصان کا اندیشہ ہے وہ اس کے فائدہ سے کہیں بڑھ کر لائق التفات ہے، کیونکہ ممکنہ نیکی پر عمل کرنا اور متوقع ثواب وفضیلت کو حاصل کرنا اس قدر اہم نہیں، جتنا ان نقصانات سے احتراز کرنا اہم ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ فضائل کے باب میں اگر صحیح (لعینہ ، لغیرہ) اور حسن (لعینہ ، لغیرہ) روایات ہی پر اگر اکتفاء کی جائے تو بھی کوئی نقصان نہیں آئے گا، بلکہ ایسی مقبول روایات میں فضائل وغیرہ کا اس قدر ذخیرہ موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے ضعیف روایات کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا أَحْسِبُ كَثِيرًا مِمَّنْ يُعَرِّجُ مِنَ النَّاسِ عَلَىٰ مَا وَصَفْنَا مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الضِّعَافِ، وَالْأَسَانِيدِ الْمَجْهُولَةِ وَيَعْتَدُّ بِرِوَايَتِهَا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ بِمَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ، إِلَّا أَنَّ الَّذِي يَحْمِلُهُ عَلَىٰ

رِوَايَتِهَا وَالِاعْتِدَادِ بِهَا إِرَادَةُ التَّكَثُّرِ بِذَلِكَ عِنْدَ الْعَوَامِّ، وَلِأَنْ يُقَالَ: مَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَ فُلَانٌ مِنَ الْحَدِيثِ، وَأَلَّفَ مِنَ الْعَدَدِ[١]

ترجمہ:" مجھے نہیں لگتا کہ بہت سے لوگ جو ان ضعیف احادیث اور مجہول اسناد کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی روایت کو معتبر سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان میں کمزوری اور ضعف ہے، سوائے اس کے کہ ان کا مقصد عوام میں اپنی شہرت بڑھانا ہوتا ہے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ فلاں شخص نے کتنی زیادہ احادیث جمع کی ہیں اور کتنی بڑی تعداد میں تصنیف کی ہے۔"

اس کے بالمقابل دوسرے پہلو کو دیکھا جائے تو عمل نہ کرنے کی صورت میں نقصان تو کوئی معتد بہ نہیں، تاہم فائدہ بڑا ہے کہ دین کی حفاظت ہو جاتی ہے، اس لئے اسی پہلو کو اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

---

١صحيح مسلم،مقدمة الامام مسلم رحمه الله،باب ما تصح به رواية الرواة بعضهم عن بعض---، ج١،ص٢٨.

# باب سوم

- علماء ہند کا موقف
- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا موقف
- علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا موقف
- علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا موقف
- مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کا موقف
- مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا موقف

# باب سوم:

## علماء ہند کا موقف

خالص علمی اور دینی مسئلہ کی بحث و تحقیق میں کسی خاص علاقے / ملک / جماعت کا مستقل عنوان قائم کرنا طبیعت کے مقتضی کے خلاف ہے، اس لئے اخیر تک اس سے احتراز ہی کرتا رہا، تاہم کتاب تیار ہو جانے کے بعد ایک خاص مصلحت کی وجہ سے اس عنوان کو یہاں ذکر کیا گیا۔

خیر، ہندوستان (پاک، ہند و بنگال) کے اہل علم میں سے جن حضرات کا علوم فقہ اور حدیث دونوں کے ساتھ تعلق رہا، ان میں سے اکثریت کا "حدیث ضعیف" کے متعلق یہی موقف رہا ہے کہ اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کو ثابت کرنا تو کسی طرح درست نہیں، تاہم فضائل میں مشروط طور پر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پہلے حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں علماء ہند میں سے بعض اہل علم کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا موقف

نماز مغرب کے نفل پڑھنے کی بعض روایات میں ترغیب وارد ہوئی ہے، البتہ متعدد محدثین کرام کی تحقیق کے مطابق ان روایات میں "ضعف" ہے، اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

الأحاديث الواردة في فضل التطوع بعد صلاة المغرب ضعاف إلا أن الرواية الضعيفة معتبرة في فضائل الأعمال، ولا يذهب عليك أن المراد بقولهم هذا ليس اعتبار الرواية الضعيفة في كل ما ورد من

الفضائل مطابقًا للأصول أو مخالفًا مثبتًا فضل العمل الجائز أو الغير الجائز حتى يرد عليه أن ذلك يخالف ما مهدوا من قاعدتهم أن الحديث الضعيف لا يثبت به حكم بل المراد أنه إذا كان الأمر جائزًا في نفسه من حيث الشرع كالنفل بعد المغرب في مسألتنا ثم وردت في إثبات فضله رواية قبلت على ضعفها فأنا لم نثبت الحكم بهذه الرواية بل فضل الصلاة مطقًا ثابت بالروايات الصحيحة، ولما رجا من الله نيل مرتبة واجتهد في تحصيله بظنه نرجو أن يناله بفضله.[١]

ترجمہ:" تمام وہ احادیث جو نماز مغرب کے بعد نفل کے فضائل کے بارے میں آئی ہیں، وہ ضعیف ہیں، لیکن فضائلِ اعمال میں ضعیف روایت کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ضعیف روایت کو فضائلِ اعمال میں معتبر سمجھا جاتا ہے، تو مراد یہ نہیں کہ ہر ضعیف روایت کو فضائلِ اعمال میں اصل قواعد کے مطابق یا ان کے مخالف طور پر قبول کیا جائے، تاکہ وہ عمل جائز یا ناجائز ہو کر اس پر کوئی فضیلت ثابت کی جائے۔ اس پر اعتراض آسکتا ہے کہ یہ اس اصول کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی عمل خود شرعاً جائز ہو، جیسے مغرب کے بعد نفل نماز پھر اس کے فضائل کے بارے میں ضعیف روایت آجائے، تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ہم اس ضعیف روایت سے کوئی حکم نہ نکالیں، بلکہ اس فضیلت کو صحیح روایات سے ثابت سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مرتبے کی توقع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے فضل سے اسے پائے گا"۔

---

[١] الكوكب الدري على جامع الترمذي،قوله باب ما جاء في فضل التطوع،ج١ص٣٨٤

## علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی مفید و ضخیم کتاب "اعلاء السنن" کے مقدمے میں اس بات پر مستقل فصل قائم فرمایا کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کے تحت "در مختار" اور "حاشیہ ابن عابدین" کی عبارات سے تائید و تقریر کے طور پر یہی موقف ذکر کیا۔[1] "در مختار" کی جس عبارت کو حضرت نے تقریر کے طور پر نقل فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

[فائدة]شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث.[2]

ترجمہ: "[فائدہ] ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، وہ کسی عام اصول کے تحت آتا ہو، اور اس حدیث کو سنت سمجھ کر عمل نہ کیا جائے"۔

## علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

موصوف نے "صحیح مسلم" پر اپنے ضخیم شرح "فتح الملہم" میں اس موضوع پر مختصر کلام فرمایا ہے، ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق تینوں مواقف نقل فرمائے ہیں، پھر اس کے متعلق مختلف اہل علم کی کتابوں سے چند عبارات ذکر کئے، ان سے یہ بات تو پوری طرح واضح نہیں ہوتی کہ آپ کی تحقیق میں کونسا قول زیادہ درست اور راجح ہے؟ تاہم آپ نے حدیث ضعیف کے ساتھ اس کے بیان ضعف کو ضروری قرار دیا ہے، نیز بحث کا خاتمہ امام نووی رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر کیا ہے جس

---

[1] إعلاء السنن، الفصل الثالث في حكم العمل بالحديث الضعيف وشرائطه، ج۱ص۹۲.

[2] الدر المختار، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ج۱، ص۱۲۸-

میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ضعیف حدیث کو صیغہ جزم کے ساتھ آپ ﷺ کی جانب منسوب کرنا ممنوع ہے، ایسا کرنے والا شخص بھی "کاذب کے معنی" میں ہے، اس سے آپ کا موقف بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے![1]

## مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے "فتاویٰ" میں ہے:

"ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱۔۔اس میں یہ شرط ہے کہ اس عمل کو سنت نہ سمجھا جائے۔

اور حال یہ ہے کہ عوام تو درکنار خواص بلکہ مشہور علماء اور مقتداء حضرات بھی ایسے اعمال کو سنت سمجھتے ہیں، بالخصوص شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "ماثبت بالسنة" کا نام دیکھ کر اس میں مذکورہ سب اعمال کو مسنون سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں بھی اکثر روایات اسی قسم کی ہیں۔

۲۔۔یہ شرط بھی ہے کہ روایت ضعیفہ سے کوئی حکم شرعی ثابت نہ کی جائے۔

اور اعتقاد فضیلت حکم شرعی ہے، البتہ خیال فضیلت حکم شرعی نہیں۔

۳۔۔یہ شرط بھی ہے کہ روایت میں ضعف شدید نہ ہو۔

اور فضائل سے متعلقہ اکثر روایات کا حال یہ ہے کہ صرف ضعیفہ شدیدہ ہی نہیں، بلکہ موضوعہ ہیں، بیشتر کے موضوع ہونے کی تو اصحاب فن نے تصریح فرمائی ہے اور بقیہ کے بارے میں بھی بوجوہ ذیل یہی ظن غالب ہے۔"[2]

---

[1] فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم، ج١ص١٥٦.

[2] احسن الفتاوی، تتمہ، عمل بالحدیث الضعیف میں مفاسد، ج١٠ص١٢٣

## مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

آپ کے مجموعہ فتاویٰ" فتاوی محمودیہ" میں اس موضوع سے متعلق متعدد جوابات مذکور ہیں، ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن میں فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی اور صراحت کے ساتھ اس کے لئے کچھ شرائط ذکر نہیں کئے، لیکن بعض جگہ یہ شرائط بھی ذکر فرمائے ہیں، چنانچہ ایک جگہ سوال یہ کیا گیاہے کہ حدیث منقطع کو معرض استدلال میں ذکر کیاجاسکتاہے اوراس کی بنیاد پر کسی عمل کے ندب واستحباب کو ثابت کیاجاسکتاہے؟ مطبوعہ نسخہ میں اس سوال وجواب پر "حدیث ضعیف سے استدلال کی شرائط" کا عنوان لگایا گیاہے۔

اس کے جواب میں آپ نے امام نووی رحمہ اللہ کی "تقریب" اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی شرح "تدریب الراوی" سے عبارتیں نقل فرمائی ہیں جن کاحاصل یہ ہے کہ فضائل کے باب میں (ایسی) ضعیف روایات پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اس میں چند شرائط کی رعایت رکھناضروری ہے۔[1]

## مولاناسرفرازخان صفدر رحمہ اللہ

آپ اپنی مشہور کتاب "راہِ سنت" میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ کہہ دیناکہ فضائل اعمال میں ہرقسم کی حدیث غیر مشروط طورپر حجت ہوتی ہے، قطعاغلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) وغیرہ توضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "لا يعمل به مطلقا" (القول البدیع ص۱۹۵) مطلقااس پر عمل صحیح

---

[1] فتاوی محمودیہ، ج۴ص۳۶

نہیں ہے۔ اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۴ھ) لکھتے ہیں:

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشروط (امام، ج۲، ص۱۷۱) ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔

وہ شرطیں کیا ہیں۔ امام سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من أنفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلاً، الثالث أن لا يعتقد عند العمل بع ثبوته لئلا ينسب إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - ما لم يقله (القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع (ص: ٢٥٥))

ترجمہ: "ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں اول جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو۔ لہذا جس حدیث میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہو گی۔ دوم یہ کہ عام قاعدہ کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہو گئی جس کی کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کر لیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تا کہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں مفقود ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔ اور آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجہ اول کی متواتر حدیث "من کذب علیٰ" (الحدیث) کے بظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

وأما العمل بالضعيف في فضائل الاعمال فضائل فدعویٰ الاتفاق فيه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروف بأن لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف فإن كان كذالك لم يقبل في الفضائل ايضا(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة،ص ۳۱۰)

ترجمہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعوی کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔"

اس کے چند سطر بعد لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ نکلا کہ فضائل اعمال میں ہر ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے حضرات محدثین کے نزدیک چند شرطیں ہیں۔"[1]

---

[1] المنہاج الواضح یعنی راہ سنت، ص: ۲۴۰ تا ۲۴۲

# باب چہارم:

- موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات اور ان کا منصفانہ جائزہ
- پہلا اشکال: محدثین نے روایت کیوں کیں؟
- امام نووی رحمہ اللہ کا مفصل جواب
- علامہ لکھنوی کی وقیع توجیہ
- دوسرا اشکال: فقہائے کرام نے ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے
- تیسرا اشکال: احتمالِ ثبوت کے باوجود کیوں قبول نہ کریں؟
- چوتھا اشکال: قرآن نے تو خبرِ فاسق کو مسترد نہیں کیا!
- علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی تحقیق
- پانچواں اشکال: ضعیف اور موضوع میں فرق نہیں رہ جاتا
- ضعیف اور موضوع میں فروق
- چھٹا اشکال: ہزاروں احادیث سے محرومی کا قضیہ
- ساتواں اشکال: فضائل کے متعلق اعتماد کرنے میں کیا حرج ہے؟
- آٹھواں اشکال: احکام کے علاوہ ابواب میں مذمت کیوں؟
- نواں اشکال: ضعف میں اختلاف کے وقت معیار کیا ہو گا؟
- دسواں اشکال: کیا یہ "تشدّد" ہے؟
- گیارہواں اشکال: بعض ضعاف تو واقعات کے مطابق ثابت ہو جاتے ہیں!
- بارہواں اشکال: اکابر کی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں؟

# باب چہارم:

## موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات اور ان کا منصفانہ جائزہ

ضعیف روایات سے متعلق یہاں جو موقف ذکر کیا گیا ہے، اس سے متعلق مختلف اشکالات وشبہات پیش آتے ہیں، یہاں ان میں سے اہم اشکالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ مسئلہ پوری طرح بے غبار اور منقح ہو جائے۔

## پہلا اشکال: محدثین نے روایت کیوں کیں؟

اگر ضعیف احادیث واقعۃً قابل استدلال نہیں ہیں، ان کی وجہ سے شرعی احکام ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی بناء پر کسی فضیلت کو شریعت کی جانب منسوب کیا جا سکتا ہے، تو پھر محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں ان احادیث کو نقل کیوں کیا؟ اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے بعد ان کا ان جیسی روایات کو نقل کرنا صرف بے فائدہ ہی نہیں بلکہ دینی لحاظ سے مضر معلوم ہوتا ہے کیونکہ لوگ تو اس کو دین سمجھتے ہیں اور اس پر احکام وفضائل دونوں ابواب میں عمل بھی کرتے ہیں!

### جواب:

محدثین کرام (شکر اللہ مساعیہم وجہودہم) کا نقل کرنا بے فائدہ ہے اور نہ ہی مضر۔ اس حوالہ سے درج ذیل نکات پر غور کیا جائے تو یہ دعوی صاف ہو جائے گا:

۱: بعض اوقات کسی حدیث کا ضعف کسی محدث / مؤلف کو معلوم نہیں ہوتا۔

۲: احادیث کی تصحیح، تحسین اور تضعیف کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے جس میں تمام ماہرین فن کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے، بسا اوقات کوئی حدیث کسی محدث کے نزدیک تو ضعیف ہوتی ہے لیکن دوسروں کے نزدیک وہ حسن ہوتی ہے۔

۳: اسنادی لحاظ سے ضعیف روایات کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو تعدّد طرق یا تلقّی بالقبول کی وجہ سے قابل استدلال بن جاتی ہیں، اور ہر محدث / مؤلف کا نقل و تالیف کے وقت حدیث کے تمام طرق پر اطلاع حاصل کرنا ضروری نہیں ہے، اس لئے تدوین کے وقت مناسب یہی تھا کہ تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے ، بعد میں دیکھا جائے جو روایات ضعیف ثابت ہوں، ان کے طرق کو دیکھا جائے کہ ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۴: حضرات محدثین کرام کی اصل ذمہ داری احادیث کی نقل و روایت اور ان کی جانچ و پڑتال ہے، ان کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب تمام امور کو امت کی طرف پہنچائیں اور اس میں صحیح و سقیم کا کوئی معقول معیار مقرر فرمائیں۔ یہ کام انہوں نے اس قدر خوبی و نفاست سے انجام دیا کہ انسانیت کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے بعد یہ قضیہ کہ کونسی حدیث کس حد تک قابل احتجاج ہے؟ یہ کام حضرات فقہاء کرام کا ہے، لہٰذا حضرات محدثین کرام پر اس حوالہ سے اشکال کرنا اس لئے درست نہیں ہے کہ یہ ان کا فرضِ منصبی تھا اور اس سے اگر کوئی غلط فہمی کا خدشہ ہے تو اصول حدیث کا فن اس کے ازالہ کے لئے کافی ہے جو انہی حضرات محدثین کا کارنامہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر بہت سے محدثین کرام کے یہاں یہ بات شہرت پا گئی کہ "من أسند فقد أحالک"۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

" إِنِّي لَأَكْتُبُ الْحَدِيثَ عَلَىٰ ثَلَاثَةِ وُجُوهٍ: فَمِنْهُ مَا أَتَدَيَّنُ بِهِ، وَمِنْهُ مَا أَعْتَبِرُ بِهِ وَمِنْهُ مَا أَكْتُبُهُ لَأَعْرِفَهُ ".[1]

ترجمہ:" میں حدیث کو تین طریقوں پر لکھتا ہوں: ان میں سے کچھ ایسی ہوتی ہیں جن پر میں عمل کرتا ہوں، کچھ ایسی ہوتی ہیں جن سے میں عبرت حاصل کرتا ہوں، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو میں اس لیے لکھتا ہوں تاکہ میں انہیں پہچان سکوں۔"

## امام نووی رحمہ اللہ کا مفصل جواب

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم" میں امام مسلم رحمہ اللہ کے ایک صنیع کی بنیاد پر یہی اشکال اٹھایا ہے اور پھر اس کا تفصیلی جواب ذکر فرمایا، وہ فرماتے ہیں:

قد ذكر مسلم رحمه الله في هذا الباب أن الشعبي روىٰ عن الحارث الأعور وشهد أنه كاذب وعن غيره حدثني فلان وكان متهما وعن غيره الرواية عن المغفلين والضعفاء والمتروكين فقد يقال لم حدث هؤلاء الأئمة عن هؤلاء مع علمهم بأنهم لا يحتج بهم ويجاب عنه بأجوبة

ترجمہ:" امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کیا ہے کہ امام شعبیؒ نے الحارث الأعور سے روایت کی اور اسے جھوٹا قرار دیا ہے، اور دوسرے سے روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مشتبہ تھا، اور دیگر غافلوں، ضعیف اور متروک افراد سے بھی۔ تو جب ان سے یہ سوال ہوا کہ یہ ائمہ ان لوگوں سے کیوں روایت کرتے ہیں حالانکہ انہیں

---

[1] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي،وَأَمَّا أَحَادِيثُ الضِّعَافِ وَمَنْ لَا يُعْتَمَدُ عَلَى رِوَايَتِهِ فَتُكْتَبُ لِلْمَعْرِفَةِ وَأَنْ لَا تُقْلَبَ إِلَى أَحَادِيثِ الثِّقَاتِ وَيُعْتَبَرُ بِهَا أَيْضًا غَيْرُهَا مِنَ الرِّوَايَاتِ، ج٢ص ١٩٣.

علم تھا کہ ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا؟ اس کا جواب مختلف طریقوں سے دیا جا سکتا ہے"۔

اس اشکال کو ذکر کرنے کے بعد آپ نے اس کے چار جوابات ذکر فرمائے ہیں جن کو چار جوابات کی بجائے چار مختلف وجوہات کا عنوان دینا شاید زیادہ مفید ہو، ان چار وجوہات کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ حضرات محدثین اپنی کتابوں میں ضعیف روایات یا تو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ:

۱: تاکہ روایت محفوظ کرنے کے بعد اس پر غور کریں، جانچ وپڑتال کرنے کے بعد اس کی واقعی حیثیت واضح کریں تاکہ لوگ التباس میں نہ رہیں۔

۲: ضعیف احادیث سے بعض اوقات "اعتبار" و "استشہاد" کا کام لیا جا سکتا ہے، اس مقصد کے لئے بسا اوقات ایسی روایات نقل کی جاتی ہیں۔

۳: ضعیف راوی کی تمام روایات کا ضعیف ہونا ضروری نہیں، بسا اوقات اس کی مرویات میں بھی صحیح اور حسن احادیث مل جاتی ہیں، تو ایسے راویوں کی روایات اس لئے نقل کی جاتی ہیں تاکہ اصول حدیث کے ضوابط کے مطابق اس پر غور کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ایک بار "کلبی" سے روایت کرنے سے منع کیا، کسی نے پوچھا کہ تم خود تو اس سے روایت کرتے ہو (پھر ہمیں کیوں روکتے ہو؟) آپ نے جواب دیا کہ: میں اس کی سچائی اور دروغ گوئی میں تمیز کر سکتا ہوں (آپ نہیں کر سکتے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حدثنا إبراهيم بن عبد الله بن منذر الباهلي، أخبرنا يعلى بن عبيد قال قال لنا سفيان الثوري اتقوا الكلبي. فقيل له إنك تروى عنه. قال أنا أعرف صدقه من كذبه.[1]

ترجمہ: "ابراہیم بن عبد اللہ بن منذر الباہلی اپنی سند سے سفیان ثوری سے نقل کرتے ہے کہ: "کلبی سے بچو۔" تو ان سوال ہوا: "آپ تو اس سے روایت کرتے ہیں؟" تو انہوں نے جواب دیا: "مجھے اس کے سچ اور جھوٹ کا علم ہے۔"

۴: بسا اوقات ترغیب وترہیب، فضائل اعمال، قصص وتاریخ ومکارم اخلاق جیسی ابواب میں ضعیف روایات نقل کی جاتی ہیں جن کے ساتھ کوئی شرعی حکم متعلق نہیں ہوتا، ان ابواب میں ضعیف حدیث پر بعض شرائط کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے۔

ان چار ابواب کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وعلى كل حال فإن الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون به على انفراده في الأحكام فإن هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء.[2]

ترجمہ: "بہرحال ائمہ محدثین ضعیف روایات کو کسی بھی صورت میں بطور حجت احکام میں استعمال نہیں کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایسا کام نہیں ہے جو کسی بھی امام یا محقق عالم سے سرزد ہو۔"

---

[1] سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٧.

[2] شرح النووي على مسلم، باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات، فرع في جملة المسائل والقواعد التي تتعلق بهذا الباب، ج١ص١٢٥.

اس کے بعد ذکر فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام کے کام پر تو اس حوالہ سے کوئی اشکال نہیں ہوتا، البتہ اگر کوئی فقیہ اس سے شرعی احکام پر استدلال کرتا ہے اور محض ان جیسی ضعیف احادیث کی بناء پر شرعی احکام کا استخراج کرتا ہے تو البتہ یہ اقدام کرنا ایسا ہے جس کی حوصلہ شکنی ہی ہونی چاہئے۔ فرماتے ہیں:

وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا وذلك لأنه إن كان يعرف ضعفه لم يحل له أن يحتج به فإنهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف في الأحكام وإن كان لا يعرف ضعفه لم يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم به إن لم يكن عارفا.[1]

ترجمہ: "جو بہت سے فقہاء یا زیادہ تر ان میں سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بہت غلط ہے۔ کیوں کہ اگر وہ اس کی کمزوری کو جانتے ہیں تو ان کے لیے اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام علماء متفق ہیں کہ ضعیف حدیث سے احکام میں استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انہیں اس کی کمزوری کا علم نہیں تھا، تو ان کے لیے اسے بغیر تحقیق کیے اور اس کی جانچ کیے دلیل کے طور پر پیش کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ خود عالم ہوں یا پھر اگر وہ عالم نہیں ہیں تو اس بارے میں اہل علم سے سوال کرنا ضروری ہے۔"

---

[1] شرح النووي على مسلم، باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات، فرع في جملة المسائل والقواعد التي تتعلق بهذا الباب، ج١ ص١٢٦.

## علامہ لکھنوی کی وقیع توجیہ

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مفید کتاب "الاجوبۃ الفاضلۃ" میں یہ اشکال ذکر فرمایا ہے اور پھر اس کا مختصر وپُر مغز جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فإنْ قلتَ: فما بالهم أوردوا في تصانيفهم الأحاديث الموضوعة مع جلالتهم ونباهتهم ولِمَ لَمْ ينقدوا الأسانيد مع سعة علمهم؟ قلت: لم يوردوا ما أوردوا مع العلم بكونه موضوعا بل ظنّوه مرويّا وأحالوا نقد الأسانيد علىٰ نقّاد الحديث لكونهم أغنوهم عن الكشف الحثيث إذ ليس مِن وظيفتهم البحثُ عنْ كيفية رواية الأخطار وإنّما هو مِن وظيفة حملة الأثار فلكلّ مقام مقال ولكلّ فنّ رجال.[١]

ترجمہ: "اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کیوں اہل علم نے اپنی تصانیف میں موضوع احادیث ذکر کرتے ہیں، حالانکہ وہ بڑے مقام ومرتبہ والے تھے اور ان کے علم میں وسعت تھی؟ اور کیوں انہوں نے اسناد کی نقد نہیں کی، حالانکہ ان کا علم بہت وسیع تھا؟ تو جواب یہ ہے کہ: انہوں نے جو احادیث ذکر کیں، وہ اس علم کے ساتھ نہیں کیں کہ وہ موضوع ہیں، بلکہ انہیں یہ گمان ہوا کہ یہ روایات صحیح ہیں۔ اور اسناد کی نقد کا کام محدثین پر چھوڑا، کیونکہ وہ اس کام میں ماہر تھے اور وہ اس بات سے بچنے کے لیے اس تحقیق سے آزاد تھے۔ ان کی ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ وہ ہر کمزور روایت کی تفصیل میں جائیں، بلکہ یہ کام آثار کے حاملین کا تھا، کیونکہ ہر مقام کے لیے مخصوص بات اور ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں۔"

---

[١] الأجوبة الفاضلة،ص٣٥.

## دوسرا اشکال: فقہائے کرام نے ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے

دوسرا اشکال، جس کو اشکال کی بجائے شبہ کا نام دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، جو عام طور پر اس موضوع کے حوالہ سے اٹھایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام نے دو نہیں بلکہ مجموعی طور پر دسیوں جگہوں میں ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے اوران پر شرعی احکام کا بھی مدار رکھا ہے، قدیم اور متاخر دونوں قسم کی فقہی کتابوں سے اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ فقہائے کرام کا اس طرح استدلال واحتجاج اس بات کی دلیل ہے کہ ضعیف احادیث احکام کے باب میں بھی شرعاً معتبر ہیں اوران سے احکام کا استخراج واستنباط درست ہے۔ یہ شبہ بہت سے اہل علم کے لئے بھی غلط فہمی کا باعث بنا ہے۔

**جواب:**

اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ اصل چیز جس کی رعایت رکھ لینی چاہئے، وہ اصل وضابطہ ہے، کسی عمل کی وجہ سے قاعدہ وضابطہ کو متاثر کرنا ہمارے فقہائے حنفیہ کے اصولی منہج کے منافی ہے، لہٰذا جب یہ ضابطہ مقرر ہے کہ ضعیف حدیث سے شرعی احکام کا استنباط واستخراج درست نہیں ہے جیسا کہ ابھی تک کی تفصیل سے پوری طرح واضح ہوا، تو اس کے بعد اگر بعض فقہائے کرام کے چند ایسے استدلالات سامنے آتے ہیں جس کی عمارت واقعۃً کسی حدیث ضعیف ہی پر استوار ہو تو اس کی وجہ سے قاعدہ کو غیر ضروری قرار دینا یا خلافِ ضابطہ اس کی تحدید وتقیید کرنے کی بجائے اصل کرنے کا کام یہی ہے کہ اس استدلال پر کلام کیا جائے۔

یہ تو اصولی نوعیت کا جواب ہے، باقی یہ بات اہلِ فن سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے جس میں اربابِ فن اور اصحابِ اجتہاد

کا اختلاف بے جا نہیں ہے، لہٰذا اگر ایک محدث یا مجتہد کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہے، تو ضروری نہیں ہے کہ دوسروں کے نزدیک بھی اس حدیث کی یہی حیثیت ہو اور وہ بھی اس سے بالکل ہی استدلال نہ کریں بلکہ ممکن ہے کہ اس کے علمی ذوق، فنی رسوم اور مقررہ ضوابط کے مطابق وہ روایت ضعیف نہ ہو بلکہ صحیح یا حسن ہو۔

فقہائے کرام کی کتابوں میں ضعیف حدیث سے استدلال واستنباط کی جو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، ان میں عموماً ہوتا یہی ہے کہ ایک محقق کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور پھر اس کو وہی حدیث کسی فقہی کتاب میں نظر آتی ہے جس سے کسی فقہی مسئلہ پر استدلال بھی ہوا ہوتا ہے تو یہ محقق اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ یہاں تو ضعیف حدیث سے فقہی مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے[1]۔

حالانکہ اس نتیجے کے نکالنے سے پہلے اس بات کا طے کرنا بھی ضروری تھا کہ کیا استدلال کرنے والے فقیہ کے نزدیک بھی اس حدیث کی یہی حیثیت تھی اور وہ بھی اس کو ضعیف ہی سمجھتا تھا یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو یہ نتیجہ نکالنا ہی درست نہیں ہے ورنہ تو بعض فقہی کتابوں میں شدید ضعیف، بے اصل اور موضوع روایات بھی مذکور ہیں اور ان کو بھی کسی بات کے معرضِ استدلال میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ ایسی روایات کسی کے نزدیک بھی قابل احتجاج نہیں ہیں۔ اور اگر اس

---

[1] ہمارے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب زید مجدہم کی افادات پر مشتمل کتاب "الجزء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف" میں مختلف اہلِ علم کے ہاں ضعیف حدیث کی حجیت پر جو دلائل اور مثالیں ذکر فرمائی گئیں ہیں ،ان میں سے بیشتر اس قبیل سے ہیں۔ اسی طرح علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ نے بھی اہل علم کی کتابوں اور ان کے مستدلات سے اسی نوعیت کا استدلال فرمایا ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ضعیف حدیث کی حجیت پر تمام ائمہ واہلِ علم متفق ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے معاصرین کی کتابوں میں یہی طرزِ استدلال مذکور ہے۔ حالانکہ اصولی لحاظ سے ایسا استدلال بالکل مخدوش ہے جس کی وجوہات اوپر درج کی گئیں ہیں۔

سوال کا جواب اثبات میں ہے اور وہ فقیہ روایت کو ضعیف سمجھنے کے باوجود بھی اس سے شرعی احکام پر استدلال کرتا ہے تو یہ بے جا استدلال ہے جس کی وجہ سے اصل قاعدے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت کو ایک بار پھر دیکھنا مفید ہے، فرماتے ہیں:

وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا وذلك لأنه إن كان يعرف ضعفه لم يحل له أن يحتج به فإنهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف في الأحكام وإن كان لا يعرف ضعفه لم يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم به إن لم يكن عارفا.[1]

ترجمہ: "جو بہت سے فقہاء یا زیادہ تر ان میں سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بہت غلط ہے۔ کیوں کہ اگر وہ اس کی کمزوری کو جانتے ہیں تو ان کے لیے اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام علماء متفق ہیں کہ ضعیف حدیث سے احکام میں استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انہیں اس کی کمزوری کا علم نہیں تھا، تو ان کے لیے اسے بغیر تحقیق کیے اور اس کی جانچ کیے دلیل کے طور پر پیش کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ خود عالم ہوں یا پھر اگر وہ عالم نہیں ہیں تو اس بارے میں اہل علم سے سوال کرنا ضروری ہے۔"

---

[1] مر تخريجه.

## تیسرا اشکال: احتمالِ ثبوت کے باوجود کیوں قبول نہ کریں؟

اس پر عام طور پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حدیث کسی وجہ سے ضعیف سہی، لیکن اس میں یہ احتمال تو ہے کہ راوی اس کو ٹھیک روایت کررہا ہو اور وہ بات واقعۃً حضور ﷺ سے ثابت ہو، اگر راوی فاسق یا جھوٹا بھی ہو تو بھی جھوٹے شخص کی تمام باتوں کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ کچھ باتیں اس کی سچی بھی ہوں تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے کیوں خواہ مخواہ اس روایت کو رد کردیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ثبوت اور عدمِ ثبوت دونوں چیزوں کا احتمال پیدا ہوا تو دونوں کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے اور اب "اصل" کی طرف مراجعت کرنی مناسب ہے اور اقوال وافعال چونکہ عوارض وحوادث میں سے ہے جن میں اصل عدم ہے، لہٰذا اس کے مطابق عدمِ ثبوت ہی کو اصل وراجح قرار دیا جائے گا جبکہ ثبوت کے لئے کوئی تسلی بخش دلیل موجود نہ ہو۔

## چوتھا اشکال: قرآن نے تو خبرِ فاسق کو مسترد نہیں کیا!

حدیث ضعیف کے متعلق ذکر کردہ تحقیق پر درج ذیل آیت کریمہ کی بنیاد پر بھی شبہ کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴾.[1]

---

[1] سورة الحجرات، رقم الآية: ٦.

ترجمہ: "اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کیا کرو کہ کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو پھر اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگو"۔

اس آیت کریمہ میں فاسق کی بات کو رد کر دینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس میں تحقیق و تبیین کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر فاسق شخص خبر دیدے تو اس کی تحقیق و تفتیش کرنی ضروری ہے تو پھر ضعیف حدیث کو کیوں یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے اور شریعت کی جانب اس کی نسبت ہی نہیں کی جاتی؟ حضرت مولانا قاری طیب صاحب درج بالا آیت کریمہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آجائے۔۔حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قرآنی اصول پر قابلِ رد یا غیر معتبر نہیں بلکہ تبیین و تحقق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں حجت ہو جاتی ہے۔ الخ"[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک قرآن کریم نے فاسق کی بات میں تحقیق کرنے کا ہی حکم دیا ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق سے اگر اس کا درست ہونا معلوم ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے لیکن یہاں عام اخبار کی بحث مقصود نہیں ہے، یہاں خاص حدیث کی بحث مد نظر ہے، کسی چیز کے حدیث ہونے کے لئے حضور ﷺ کی طرف نسبت ضروری ہے کہ اس میں آپ ﷺ کے قول یا فعل کا ذکر ہو، چنانچہ اس بات میں تردد کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر حق بات کا مسموع من الرسول یا قول رسول ﷺ و فعل رسول ﷺ ہونا ضروری نہیں ہے، اگر راوی کے فسق وغیرہ عناصر کی وجہ سے کسی

---

[1] مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، رسالہ "حدیثِ رسول کا قرآنی معیار" ج ا ص ۹۶.

حدیث کو ضعیف قرار دیا جائے تو اس میں تحقیق کی یہی صورت متصور ہو سکتی ہے کہ قرائن وشواہد سے اس بات کا ثبوت تلاش کیا جائے کہ اس روایت کا مضمون حضور ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں ؟ جبکہ یہ کام محدثین نے بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے اور اصطلاحی لحاظ سے حدیث ضعیف اسی کو کہا جاتا ہے کہ جہاں دیگر قابلِ اعتماد طرق وشواہد بھی موجود نہ ہوں۔ لہٰذا گزشتہ صفحات میں حدیث ضعیف کے متعلق جو اصولی موقف ذکر کیا گیا ہے، وہ بالکل بھی درج بالا آیت کریمہ کے تقاضا کے خلاف نہیں ہے۔

## معاملہ کی غیر معمولی نزاکت

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کسی چیز کو متعارف معنی میں حدیث کہنا ہی حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا ہے اور حضور ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنا، جو آپ ﷺ نے فرمائی ہو، سخت گناہ کبیرہ اور عظیم جرم ہے، دسیوں نصوص میں اس کی مذمت کی گئی ہے، اس کی مذمت کی روایت کو بہت سے محدثین کرام نے متواتر بھی قرار دیا ہے۔ " صحیح ابن حبان " میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النار".[1]

ترجمہ:" جو شخص مجھ پر ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی، وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے"۔

---

[1] صحيح ابن حبان – محققا، فَصْلٌ ذِكْرُ إِيجَابِ دُخُولِ النَّارِ لِمَنْ نَسَبَ الشَّيْءَ إِلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَيْرُ عَالِمٍ بِصِحَّتِهِ، ج۱ص۲۱٤.

اس پر علامہ ابن حبان نے باب باندھا ہے:" فَصْلٌ ذِكْرُ إِيجَابِ دُخُولِ النَّارِ لِمَنْ نَسَبَ الشَّيْءَ إِلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَيْرُ عَالِمٍ بِصِحَّتِهِ"

اس کے بعد ایک اور باب " ذِكْرُ خَبَرٍ ثَانٍ يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ مَا ذهبنا إليه " باندھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

"كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يحدث بكل ما سمع".[١]

ترجمہ:"" آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔"

درج بالا پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ جو بات حضور ﷺ نے نہ فرمائی ہو اور وہ ان کی طرف کوئی منسوب کرے، تو یہ گناہ کبیرہ اور موجبِ نار ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی جانب صرف اور صرف وہی بات منسوب کی جاسکتی ہے جو آپ ﷺ سے ثابت ہو۔ رہا یہ سوال کہ کونسی بات آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور کونسی نہیں؟ اس کا معیار کیا ہو گا؟ تو حضرات محدثین کرام نے "اصولِ حدیث" کے نام سے جو فن مدون فرمایا ہے، اس کا بڑا مقصود اس معیار کی وضاحت کرنا ہے اور اس کا حاصل یہی ہے کہ جو چیز اصطلاحی طور پر صحت یا حسن کے درجے تک پہنچ چکی ہو وہ آپ ﷺ سے ثابت ہے گو نسخ وتعارض وغیرہ عناصر کی وجہ سے بعض اوقات وہ معمول

---

[١] صحيح ابن حبان – محققا، ذِكْرُ خَبَرٍ ثَانٍ يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ مَا ذهبنا إليه، ج١ص٢١٤.

ومقبول نہ ہو اور جو چیز اس درجے میں ثابت نہ ہو، وہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کی نسبت حضور ﷺ کی جانب نہیں ہو سکتی۔

## علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ شاطبی نے اہل بدعت کے مآخذ ومستدلات میں سے ایک یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ ضعیف اور واہی قسم کی احادیث سے استدلال کرکے بدعات کی عمارت استوار کرتے ہیں، اس کے ضمن میں آپ نے حدیث ضعیف کی اصولی حیثیت پر مختصر گفتگو فرمائی اور اس ضمن میں محدثین کے منہج کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔ اس میں وہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ مِنْ شأْن أَهل الإِسلام الذَّابِّين عَنْهُ الأَخذ مِنَ الأَحاديث بِكُلِّ مَا جَاءَ عَنْ كُلِّ مَنْ جَاءَ، لَمْ يَكُنْ لِانْتِصَابِهِمْ لِلتَّعْدِيلِ وَالتَّجْرِيحِ مَعْنًى ـــ مَعَ أَنهم قَدْ أَجمعوا عَلَىٰ ذَلِكَ ـــ، وَلَا كَانَ لِطَلَبِ الإِسناد مَعْنًى يَتَحَصَّلُ، فَلِذَلِكَ جَعَلُوا الإِسناد مِنَ الدِّينِ وَلَا يَعْنُونَ: "حَدَّثَنِي فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ" مُجَرَّداً، بَلْ يُرِيدُونَ ذَلِكَ لِمَا تضمَّنه مِنْ مَعْرِفَةِ الرِّجَالِ الَّذِينَ يحدَّث عَنْهُمْ، حتىٰ لا يسند عن مجهول، ولا مُجَرَّح، ولا متهم ، ولا عَمَّن لا تَحْصُلُ الثِّقَةُ بِرِوَايَتِهِ؛ لأَن رُوحَ الْمَسْأَلَةِ أَن يَغْلِبَ عَلَىٰ الظَّنِّ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ أَن ذَلِكَ الْحَدِيثَ قَدْ قَالَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لِنَعْتَمِدَ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسْنِدَ إِليه

الأَحكام. والأَحاديث الضَّعِيفَةُ الإِسناد لَا يَغْلِبُ عَلَىٰ الظَّنِّ أَن النَّبِيَّ صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهَا، فَلَا يُمْكِنُ أَن يُسْنَدَ إِليها حُكْمٌ.[١]

ترجمہ: "اگر اہل اسلام کی یہ عادت ہوتی کہ وہ ہر حدیث کو جس سے بھی نقل ہو لے لیتے، تو پھر ان کے لیے تعدیل و تجریح کی کوئی اہمیت نہ ہوتی، حالانکہ اس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے، اور نہ ہی اسناد کی طلب کا کوئی فائدہ ہوتا۔ اس لیے انہوں نے اسناد کو دین کا حصہ قرار دیا، اور ان کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ "فلاں نے فلاں سے بیان کیا"، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس میں یہ معلومات شامل ہوں کہ وہ لوگ کون ہیں جن سے روایت کی جا رہی ہے، تاکہ وہ مجہول، مجروح، متہم یا ایسے لوگوں سے روایت نہ کریں جن کے بارے میں وثوق نہ ہو۔ کیونکہ اصل مقصد یہ تھا کہ بغیر کسی شک و شبہ کے ہمیں یہ یقین ہو کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے، تاکہ ہم اس پر شرعی احکام قائم کر سکیں۔ اور ضعیف اسناد کی احادیث پر ایسا اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ وہ حدیث واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہے، لہٰذا ان پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔"

اس کے چند سطر بعد وہ اس موضوع کے حوالہ سے ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا يُقَالُ: إِنهم يُرِيدُونَ أَحكام الْوُجُوبِ وَالتَّحْرِيمِ فَقَطْ؛ لأَنَا نَقُولُ: هَذَا تَحَكُّمٌ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ، بَلِ الأَحكام خَمْسَةٌ. فَكَمَا لَا يثبت الوجوب إِلا بالصحيح، كذلك الندب والإِباحة وغيرهما لا تثبت إِلا

---

[١] الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني،الباب الرابع في مأخذ أهل البدع في الاستدلال، فَصْلٌ ،ج٢ص ١٥.

بِالصَّحِيحِ فإذا ثَبَتَ الْحُكْمُ فَاسْتَسْهِلْ أَن يَثْبُتَ فِي أَحاديث التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ، وَلَا عَلَيْكَ.[1]

ترجمہ: "اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور کے نزدیک صرف واجب اور حرام احکام مراد ہے؛ تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ کہ یہ دلیل کے بغیر محض سینہ زوری ہے، بلکہ دراصل احکامات کل پانچ ہیں۔ جیسے کہ واجب صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مستحب، اباحت اور دیگر احکام بھی صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب حکم ثابت ہو جائے، تو آسانی سے یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترغیب اور ترہیب کی حدیثوں میں بھی ثابت ہو جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ:

الف: اگر ہر قسم کی احادیث کو قابلِ عمل سمجھا جائے تو اسناد سے متعلقہ فنون کا فائدہ نہیں رہے گا۔

ب: کسی چیز کو تبھی شریعت کی جانب منسوب کیا جا سکتا ہے جبکہ غالب گمان کے مطابق وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو جبکہ ضعیف احادیث میں ایسا غالب گمان حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس پر شرعی احکام کا مدار بالکل نہیں رکھا جا سکتا۔

ج: یہ جو کہا جاتا ہے کہ ضعیف روایات سے شرعی احکام ثابت نہیں ہو سکتے، اس سے تمام احکام مراد ہیں اور شریعت کے احکام خمسہ میں سے کوئی حکم بھی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، صرف وجوب یا تحریم مراد نہیں ہے۔

---

[1] الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني،الباب الرابع في مأخذ أهل للبدع في الاستدلال،فَصْلٌ ،ج۲ص ۳۱.

## پانچواں اشکال: ضعیف اور موضوع میں فرق نہیں رہ جاتا

حدیث ضعیف کے بارے میں جب یہ بات کی جاتی ہے کہ اس سے شرعی احکام ثابت نہیں ہو سکتے اور اس کو جزم کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں، تو اس پر عموماً یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس طرح تو ضعیف احادیث موضوع احادیث کے ہم پلہ بن جاتی ہیں حالانکہ دونوں قسم کی احادیث میں فرق ہے، متعدد اہل علم نے اس اشکال کی بنیاد پر ضعیف احادیث کے بارے میں "تسامح" کرنے کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ ضعیف احادیث بالکل موضوع احادیث کی طرح نہیں ہیں بلکہ دونوں میں متعدد فروق موجود ہیں لیکن جس طرح ضعیف احادیث میں "تشدید" سے کام لے کر یہ فروق ختم ہو جاتے ہیں اور انجام کار ضعیف اور موضوع روایات باہم مل جاتی ہیں، یوں ہی اس سلسلہ میں "تسامح" سے کام لے کر بھی ضعیف احادیث کا واقعی مقام و حیثیت بر قرار نہیں رہتی بلکہ وہ اپنی جگہ سے بڑھ کر حسن احادیث کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہیں، لہٰذا جس طرح بے جا "تشدید" کرنا خلاف اصل اقدام ہے یوں ہی بے قید "تسامح" برتنا بھی خلاف ضابطہ کام ہے، اعتدال کا راستہ دونوں کے بیچ بیچ ہے۔

اعتدال کا وہ راستہ یہ ہے کہ ضعیف احادیث و روایات کو نہ بالکل موضوع روایات کے سانچے میں رکھا جائے اور نہ ہی اس کو حسن احادیث تک پہنچایا جائے بلکہ دونوں کے درمیان درمیان رکھا جائے۔ کسی چیز کی تقسیم کرنے اور باہم اقسام بنانے کا اساسی یہی فائدہ ہوتا ہے کہ اقسام کے درمیان اپنی ذات یا متعلقہ احکام کے اعتبار سے فرق و تغایر ہے، اب اگر حدیث ضعیف بھی قابل استدلال واحتجاج ہے اور اس سے بھی شرعی احکام ثابت ہو سکتے ہیں گو صرف استحباب ہی ہو تو پھر اس تقسیم کا کیا فائدہ ہوا؟ اگر یہ

کہاجائے کہ ضعیف احادیث بھی قابل احتجاج ہے تاہم صحیح اور حسن روایات سے مقام ورتبے میں کم ہیں تو یہ اہل علم کے اس اتفاق کے خلاف ہے ، جس کی بنیاد پر انھوں نے حدیث کی یہ تقسیم فرمائی ہے اور صحیح اور حسن کو مقبول احادیث میں جبکہ ضعیف کو غیر مقبول احادیث میں درج فرمایاہے!

## ضعیف اور موضوع میں فروق

بہر حال ضعیف اور موضوع روایات یکساں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں متعدد فروق ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱: موضوع احادیث کو "حدیث" کا عنوان دیکر بیان کرنا جائز نہیں ہے جب تک اس کے موضوع ہونے کی وضاحت نہ کی جائے جبکہ ضعیف احادیث میں جمہور اہل علم کے نزدیک ہر جگہ اس طرح وضاحت کرناضروری نہیں۔

۲: موضوع احادیث کو مجازاً ہی حدیث کہاجاتاہے،ورنہ موضوع جب من گھڑت کانام ہے تواس کو حدیث کہناہی درست نہیں ہے،ایسی روایات کسی طرح بھی حجت نہیں ہیں جبکہ ضعیف احادیث بعض اوقات "تعدّد طرق" وغیرہ کی وجہ سے قابل استدلال بن جاتی ہیں اوران سے شرعی احکام بھی ثابت ہوسکتی ہیں۔

۳:ضعیف احادیث فضائل میں مشروط طور پر قبول کی جاسکتی ہیں جبکہ موضوع روایات بہر حال مقبول نہیں۔

## چھٹااشکال: ہزاروں احادیث سے محرومی کاقضیہ

ضعیف احادیث کے قبول نہ کرنے کی جب بات کی جاتی ہے تواس پر ایک اشکال یہ کیاجاتاہے کہ اس طرح توسینکڑوں / ہزاروں احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کتب حدیث میں ایسی روایات کی کمی نہیں ہے بلکہ تقریباً تمام تر ابواب میں دسیوں احادیث

ایسی مل جاتی ہیں جو اسنادی لحاظ سے ضعیف ہوتی ہیں، اب اگر یہ کہا جائے کہ ضعیف احادیث سے شریعت کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی تو ان تمام روایات سے سبکدوش ہونا پڑے گا جو بڑی محرومی کی بات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح یہ پہلو اہم ہے یوں ہی اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی قابل التفات ہے، چنانچہ اگر شرعی دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ضعیف احادیث شرعی حجت نہیں ہیں تو اس کے باوجود اس سے شرعی امور ثابت کرنا اور اس کو شرعی حجت کا درجہ دینا کس قدر جسارت کی بات ہے! اس طرح تو بہت سی ایسی باتوں کو حدیث اور شریعت کا حصہ ماننا پڑے گا جو در حقیقت شریعت کا حصہ نہیں ہیں۔ اب ضعیف احادیث کو حجت تسلیم نہ کرنے سے اگر بہت سے "روایات" سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے تو یوں ہی اس کو قابل احتجاج تسلیم کرنے کی تقدیر پر بہت سے غیر شرعی امور کو شریعت ماننا پڑے گا جو پہلے سے کم درجہ مذموم کام نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر بات کو اپنی واقعی دائرہ کار میں رکھنا ضروری ہے، ضعیف احادیث کا اپنا واقعی درجہ وہی ہے جس پر جمہور اہل علم کا بیان و عمل رہا ہے کہ محض ایسی روایات کی بناء پر دین کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی، تاہم فضائل اعمال میں مشروط طور پر ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اب اس درجے سے ضعیف روایات کو بڑھانا بھی درست نہیں اور گھٹانا بھی درست نہیں۔

## ساتواں اشکال: فضائل کے متعلق اعتماد کرنے میں کیا حرج ہے؟

ترغیب اور ترہیب کی حد تک اعتماد کرنے میں کیا حرج ہے؟ جب کہ محدثین کرام نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے اور عملی سطح پر بھی وہ ان روایات سے ان ابواب میں استفادہ کرتے ہیں!

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک واقعۃً ان ابواب میں ضعیف احادیث سے استفادہ کرنا درست ہے تاہم یہ استفادہ بھی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کی تفصیل اس کتابچے میں پہلے ذکر کی گئی ہے۔ کسی چیز کو شرط ٹھہرانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ مدار حکم ہے، اگر وہ موجود نہ ہو تو متعلقہ حکم موجود نہیں ہوتا، لہٰذا اگر وہ شرائط موجود نہ ہوں تو فضائل وترغیب کے باب میں بھی ان روایات سے استفادہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

اس کے تناظر میں جب ہم معاشرے کی عملی صورت حال کو دیکھتے ہیں تو اس ناکارہ کا تجربہ یہی ہے، جس کی متعدد اہل علم نے تائید وتوثیق بھی فرمائی ہے، کہ ضعیف روایات کو بیان کرتے وقت اور فضائل میں ان سے استفادہ کرتے وقت متعلقہ شرائط کا عموما کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، بلکہ ان شرائط کی رعایت رکھے بغیر ہی ایسی روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے، تاہم اس بات کی حیثیت اِس کمترین کے تجربے ومشاہدے کی ہے جو کسی پر مسلط کرنا مقصود نہیں، اس لئے اگر کوئی صاحب علم کہیں ان شرائط کا عملی سطح پر لحاظ ورعایت دیکھے اور وہ اس پر مطمئن بھی ہو کہ اس کے بیان کرنے کے نتیجے میں خود اس سے اور سامعین کرام سے کوئی کوتاہی عمل میں نہیں آئے گی بلکہ وہ ان شرائط کی اچھی طرح پابندی کے ساتھ ہی ان روایات کو لیں گے تو ایسی صورت میں بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔

## آٹھواں اشکال: احکام کے علاوہ ابواب میں مذمت کیوں؟

بعض اوقات اس پر ایک یہ اشکال بھی کیا جاتا ہے کہ ترغیب وترھیب یا فضائل اعمال تو احکام شرعیہ نہیں ہیں تو پھر ان میں یہ شرائط کیوں لگائی جاتی ہیں جبکہ ان ابواب میں ضعیف احادیث کو تسلیم بھی کیا جائے تو بھی اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کا اضافہ

نہیں ہو جاتا، پھر اس کی مذمت کیوں کی جاتی ہے!اوراس میں اتنی شرائط کیوں لگائے جاتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جو اصل ممانعت و مذمت کا نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ محض ضعیف احادیث کی بنیاد پر کسی چیز کو "شریعت کی جانب منسوب کرنا" اوراس کو "حضور نبی اکرم ﷺ کا قول و عمل قرار دینا" جائز نہیں، یہ "نسبت الی الشرع" "بنیادی" مناطِ ذم و منع "ہے، شرعی حکم قرار دینے کی اصل واساس بھی یہی ہے اوراس کی مذمت و ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی قرار دینا "نسبت الی الشرع" کو مستلزم و متضمن ہے۔

غور کیا جائے تو مذمت و ممانعت کا یہ نکتہ جس طرح شرعی احکام کے ابواب میں پایا جاتا ہے یوں ہی فضائل کے ابواب میں پایا جاتا ہے، مذمت کی اس اصل واساس سے بچنے کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ یہی ہے کہ جمہور محدثین کرام کی شرائط کا بھرپور خیال ولحاظ رکھا جائے، ان شرائط کی رعایت رکھے بغیر ضعیف روایات سے استفادہ کیا جائے گا تو یہ خرابی اس میں پائی جائے گی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان شرائط کے لگانے کا بڑا فائدہ ہی یہی ہے کہ اس خرابی سے بچا جاسکے۔

## نواں اشکال: ضعف میں اختلاف کے وقت معیار کیا ہو گا؟

ضعیف احادیث سے متعلق اس تحریر میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے، متعدد اہل علم حضرات کا اس موقف پر مطمئن نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اگر ضعیف احادیث کا یہی درجہ ہے تو اس موقف کے مطابق ضعیف احادیث کا معیار و مدار کیا ہو گا؟ یعنی کس کی تضعیف معتبر ہو گی؟ کتب حدیث میں بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے

کہ کوئی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے لیکن بعض محدثین کی جانب سے اس کی تضعیف کی جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ جس طرح اس موقف کے بارے میں اٹھایا جاتا ہے یوں ہی دوسرے مواقف کے بارے میں بھی اس کو اٹھایا جاسکتا ہے، اس لئے محض اس شبہ کی بنیاد پر درج بالا موقف میں کوئی علمی سقم پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک اصل شبہ کا قضیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱: محققین کے نزدیک حدیث کی تصحیح، تحسین اور تضعیف اجتہادی نوعیت کے مسائل ہیں۔

۲: اجتہادی نوعیت کے مسائل میں ضابطہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اجتہاد کی صلاحیت واستعداد اور اس کے لئے مطلوبہ ذوق سے مالا مال ہو تو وہ اپنے اجتہاد کا پابند ہو گا، اور جو شخص اس استعداد سے محروم ہو، وہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی اتباع و تقلید کرے گا۔

۳: جس طرح فقہی اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد پر، یا ایک مجتہد کے مقلد کا دوسرے مجتہد کے مقلد پر اعتراض و تنقید کرنا مذموم ہے، یوں ہی یہاں بھی ہے، تاہم آلات اجتہاد میں بحث و مناقشہ کرنا، دلائل کی جانچ پڑتال میں رد و قدح کرنا برا نہیں ہے بلکہ درست نتیجے تک پہنچنے میں بہت ہی معین و مددگار ہے۔

## دسواں اشکال: کیا یہ "تشدّد" ہے؟

ضعیف احادیث کے مقام وحیثیت سے متعلق سابقہ صفحات میں جو گفتگو کی گئی ہے اور یہاں جس موقف کو راجح قرار دیا گیا ہے، بعض دفعہ اس کو "تشدّد" سے تعبیر کیا جاتا ہے، عرب و عجم کے متعدد اہل علم جن بنیادوں پر اس موقف کو مسترد کرتے

ہیں، ان میں سے ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ تشدّد ہے اور عصر حاضر کے متشدّد دین کا موقف ہے جبکہ تشدّد پسندی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لئے یہ موقف قابل قبول نہیں۔

اس اشکال کے جواب سے پہلے تمہید کے طور پر یہ گزارش کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ علمی میدان میں ان جیسی اصطلاحات سے اس وقت احتراز ہی کرتے رہنا مناسب ہے، فی زمانہ ان اصطلاحات کا بہت ہی بے ضابطہ بلکہ خلاف ضابطہ استعمال رائج ہے جس کی وجہ سے عملی میدان سے ہٹ کر خود علمی میدان میں بھی بڑی ہی غلط فہمیاں راسخ ہوتی جارہی ہیں۔

بہرحال اصل جواب یہ ہے کہ کونسی چیز مذموم تشدّد ہے اور کونسی نہیں؟ اس کا معیار اگر شریعت الہیہ اور اس کے نصوص ودلائل ہیں تو ایسے تشدّد سے بچنا ہی ضروری ہے، لیکن ضعیف احادیث کے متعلق ابھی تک جو موقف ذکر کیا جاتا رہا ہے، وہ شرعی نصوص کے خلاف نہیں بلکہ نصوص ہی کا مقتضی اور اسی کا حاصل ہے، اس لئے اس کو اس معنی میں تشدّد سے تعبیر کرنا بالکل بے جا ہے، اگر کسی صاحبِ علم شخصیت کے نزدیک یہ موقف کمزور بھی ہو تو بھی اجتہادی دائرہ کار میں رہتے ہوئے کسی دوسرے معتمد مجتہد کے موقف کو کلی طور پر تشدّد کہنا اور اس بناء پر اس کی مذمت کرنا خود ہی تشدّد ہے جو بجائے خود مذموم ہے۔

## گیارہواں اشکال: بعض ضعاف تو واقعات کے مطابق ثابت ہو جاتے ہیں!

متعدد احادیث ایسی بھی ہیں جو سند کے لحاظ سے تو ہیں ضعیف، لیکن متعدد مرتبہ ایسی احادیث کا مضمون بھی واقع کے بالکل مطابق ثابت ہو جاتا ہے، قیامت کے علامات سے متعلق بھی متعدد روایات اس قبیل کے ہیں اور کائناتی حقائق سے متعلق بھی کچھ باتیں

ایسی ہیں جو اصلاً تو کسی ضعیف روایت میں وارد ہوئی ہیں لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے ان کا واقع کے بالکل مطابق ہونا ثابت ہوا۔ ان جیسی روایات کے مضامین کی جب واقعات وتحقیقات سے تصدیق ہو جاتی ہے تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ بات قابلِ اشکال بن جاتی ہے اور وہ اس بناء پر بھی ضعیف روایات کو حجت تسلیم کرنا شروع کرتے ہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا واقع کے مطابق ہونا یا مبنی بر حقیقت ہونا اس بات کو کسی طرح مستلزم نہیں ہے کہ وہ ضرور حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہو، نہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرض منصبی تھا کہ وہ کائنات کے تمام حقائق اور مستقبل کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور نہ ہی عملی طور پر آپ ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے، چنانچہ کتنی ہی سچی باتیں اور یقینی حقائق ایسے ہیں جو آئے دن معلوم ہوتے جارہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو حضور نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا زیادتی اور جسارت کی بات ہے۔

کونسی بات حضور ﷺ کی فرمودہ ہے اور کونسی نہیں؟ اس کا تعلق واقعات وحقائق کے ساتھ نہیں، بلکہ ثبوت کے ساتھ ہے، لہٰذا کسی چیز کا سچ وحقیقت ہونا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔

حضرت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

قال عبد الفتّاح: لا يترتّب علىٰ ذلك شيء ولو توافق في كلّ السّنين، فإنّ شرطَ الثّبوت للحديث عن رسول الله صلّىٰ الله عليه وسلّم هو صحّةُ صدوره عنه قولا أو فعلا أو إقرار، وليس كلّ ما وافق الواقعَ يصحّ أن يكون حديثا نبويّا، فكلُّ ما قاله رسول الله صلّىٰ الله عليه وسلّم حقّ، وليس كلّ ما هو حقّ قاله رسول الله. قال الحافظُ المزّي:

((ليس لأحد أن ينسبَ حرفا أي كلمة يستحسنه مِن الكلام إلىٰ الرّسول صلّىٰ الله عليه وسلّم حق وإنْ كان ذلك الكلامُ في نفسه حقّا فإنّ كلّ ما قاله الرّسولُ صلّىٰ الله عليه وسلّم حقّ وليس كلّ ما هو حقّ قاله الرسول صلّىٰ الله عليه وسلّم)) انتهىٰ مِن ذيل الموضوعات للسّيوطي.[1]

ترجمہ: بندہ کی رائے یہ ہے کہ سالوں سال اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، کیونکہ حدیث کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً، فعلاً، یا اقراراً صحیح طور پر نقل ہوئی ہو۔ یہ نہیں کہ جو بھی بات حقیقت سے ہم آہنگ ہو، وہ نبوی حدیث ہو۔ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی وہ حق ہے، مگر ہر وہ بات جو حق ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔"

حافظ مزیؒ فرماتے ہیں کہ: "کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی لفظ کو جو اسے پسند ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے، چاہے وہ لفظ بذات خود سچ (درست) ہو، کیونکہ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی، وہ حق ہے، مگر ہر وہ بات جو حق ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی۔" یہ اقتباس امام سیوطیؒ کی کتاب "ذیل الموضوعات" سے نقل ہے۔

## بارہواں اشکال: اکابر کی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں؟

زیر نظر موضوع سے متعلق عام طور پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اکابر علماء کرام کی کتابوں میں بھی تو ضعیف روایات موجود ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں:

---

[1] ظفر الأماني، ص٢٥٧

الف: ممکن ہے کہ کسی حدیث کا ضعیف ہونا ان کو مستحضر نہ ہو۔

ب: ان کی تحقیق کے مطابق وہ ضعیف ہی نہ ہو، پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ احادیث مبارکہ کی تصحیح و تضعیف کا معاملہ اجتہادی ہے، لہٰذا علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اہل علم کا اس میں اختلاف نا ممکن ہے اور نہ مضر۔

ج: انہوں نے "مشروط طور پر" عمل کرنے کے لئے نقل فرمایا ہو جس کی تفصیل اسی کتابچے کے دوسرے باب میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے۔

ان میں سے کوئی ایک عذر بھی کسی کے ذمہ فارغ ہونے کے لئے کافی ہے، بلکہ ساتھ نیک نیتی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ثواب کی بھی امید کی جاسکتی ہے، تاہم اس کی وجہ سے اصولی قواعد میں تبدیلی یا ترمیم کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے اسلاف واکابر کی کتابوں میں موضوع روایات بھی مذکور ہیں، خود "سنن ابن ماجہ" کی متعدد روایات کو کئی مستند اہل علم نے موضوع قرار دیا ہے جبکہ حدیث موضوع کو بغیر تصریح و تنبیہ کے نقل کرنا ہی درست نہیں، اس کے باوجود سنن ابن ماجہ وغیرہ کتابوں میں ایسی روایت بغیر تنبیہ کے مذکور ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ضابطہ میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی، ہاں ان کے اس عمل کی توجیہ کی گئی۔

حضرت مولانا نور البشر صاحب زید مجدہم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

" اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ حدیث رسول کی عظمت اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی حرمت ہمارے لئے اللہ تعالی کے بعد ہر چیز سے مقدم ہے، اگر کوئی ایسی بات اپنے اکابر کے کلام میں آجائے اور تحقیقی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ایسے موقع پر اپنے اکابر کی طرف داری گویا حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی عظمت و حرمت کے مقابلہ میں معاذاللہ ترجیح پا رہی ہے، جس سے پوری اجتناب ضروری ہے۔

دیکھئے! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کسی شخص نے "تمتع بالعمرۃ الی الحج" کے بارے میں پوچھا، تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ جائز ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد نے تو منع کیا ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ بتلاؤ: اگر میرے والد نے منع کیا ہو اور حضور اکرم ﷺ نے اس عمل کو انجام دیا ہو، تو میرے والد کی اتباع کی جائے گی، یا حضور ﷺ کی؟ اس نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ہی کی اتباع کی جائے گی، تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: سمجھ لو کہ حضور اکرم ﷺ نے بذات خود کیا ہے۔

جب امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ غلطی سے غلط احادیث اپنی "سنن" میں لکھ سکتے ہیں اور بعد میں آنے والے ان کی نشاندہی کر سکتے ہیں تو پھر ہم بھی اپنوں کی غلطیاں کیوں ظاہر نہیں کر سکتے!؟

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ جب بھی کسی بڑے کی بات کی تردید کی جائے، تو بلا تحقیق کامل لب کشائی اور خامہ فرسائی نہ کرے اور جب اظہار کرے تو ادب کو ملحوظ رکھ کر کلام کرے، اپنے آپ کو حرفِ آخر قرار نہ دے اور اپنی غلطی ظاہر ہونے کی صورت میں فوری رجوع کرے۔"[1]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ناکارہ عبید الرحمن۔

غرۃ رمضان ۴۴ھ

---

[1] احادیث رسول ﷺ کی صیانت و حفاظت، ص ۵۰

# مراجع ومصادر

| نمبر شمار | کتاب | مصنف |
|---|---|---|
| | **کتب احادیث** | |
| ۱ | سنن ترمذی | امام ابو عیسی ترمذیؒ |
| ۲ | صحیح مسلم | امام مسلم قشیریؒ |
| ۳ | صحیح ابن حبان | امام ابو حاتم دارمیؒ |
| | **شروح حدیث** | |
| ۴ | المفاتیح فی شرح المصابیح | علامہ حسین مظہریؒ |
| ۵ | لمعات التنقیح | مولانا عبد الحق دہلویؒ |
| ۶ | مرقاۃ المفاتیح | امام ملا علی قاریؒ |
| ۷ | الکوکب الدری | حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ |
| ۸ | فتح المنعم شرح مقدمہ صحیح مسلم | حضرت مفتی محمد فریدؒ |
| ۹ | فتح الملہم | مولانا شبیر احمد عثمانیؒ |
| ۱۰ | اعلاء السنن | مولانا ظفر احمد عثمانیؒ |
| ۱۱ | شرح النووی علی مسلم | امام یحی ابن شرف نوویؒ |
| | **اصول حدیث** | |
| ۱۲ | احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت | مولانا شعیب مفتاحی زید مجدہم |
| ۱۳ | تحقیق القول بالعمل بالحدیث الضعیف | دکتور عبد العزیز زید مجدہم |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴ | الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ | دکتور عبدالکریم زید مجدہم |
| ۱۵ | الاجوبۃ الفاضلۃ | حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی صاحبؒ |
| ۱۶ | احادیث رسول ﷺ کی صیانت و حفاظت | مولانا نور البشر زید مجدہم |
| ۱۷ | الجزء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف | مفتی رضاء الحق زید مجدہم |
| ۱۸ | تبیین العجب | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ |
| ۱۹ | تدریب الراوی | علامہ جلال الدین سیوطیؒ |
| ۲۰ | حکم العمل بالحدیث الضعیف | شیخ محمد عوامہ زید مجدہم |
| ۲۱ | توجیہ النظر الی اصول الاثر | علامہ طاہر بن صالح احمد سمعونیؒ |
| ۲۲ | تیسیر مصطلح الحدیث | علامہ محمود احمد طحانؒ |
| ۲۳ | الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع | علامہ خطیب بغدادیؒ |
| ۲۴ | توضیح الافکار | علامہ ابوابراہیم محمدؒ صنعانیؒ |
| ۲۵ | شرح علل الترمذی | علامہ زین الدین ابن رجب حنبلیؒ |
| ۲۶ | ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت | مولانا محمد انور کوہستانی زید مجدہم |
| ۲۷ | ظفر الامانی | حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی صاحبؒ مع تعلیقات شیخ ابوالفتاح ابوغدہؒ |
| ۲۸ | الاذکار | امام یحیٰ ابن شرف نوویؒ |
| ۲۹ | فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث | علامہ شمس الدین محمد سخاویؒ |
| ۳۰ | مجموعہ رسائل حکیم الاسلام | مولانا قاری طیب قاسمیؒ |
| ۳۱ | المدخل الی کتاب الاکلیل | علامہ ابن البیعؒ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲ | مقالات الکوثری | علامہ زاہد کوثریؒ |
| ۳۳ | مقدمۃ ابن الصلاح | ابوعمرو تقی الدین المعروف بابن الصلاحؒ |
| ۳۴ | مکمل اکمال الاکمال | امام محمد بن محمد سنوسی حسنی |
| ۳۵ | المنہاج الواضح | مولانا سرفراز خانؒ |
| ۳۶ | منہج النقد فی علوم الحدیث | دکتور نور الدین عترؒ |
| ۳۷ | حدیث اور فہم حدیث | مولانا عبداللہ معروفی صاحب |
| ۳۸ | الکفایۃ فی علم الروایۃ | علامہ خطیب بغدادیؒ |
| ۳۹ | الفتح المبین | علامہ ابن حجر ہتیمیؒ |
| ۴۰ | القول البدیع في الصلاۃ علی الحبیب الشفیع | علامہ شمس الدین محمد سخاویؒ |
| | **کتب فقہ** | |
| ۴۱ | الہدایہ | علامہ علی ابن ابی بکر مرغینانیؒ |
| ۴۲ | فتح القدیر | علامہ ابن الہمامؒ |
| ۴۳ | الدر المختار | علامہ محمد ابن علی حصکفیؒ |
| ۴۴ | الذخیرۃ | علامہ احمد بن ادریس الشہیر بالقرافیؒ |
| ۴۵ | الاختیار لتعلیل المختار | ابوالفضل عبداللہ بن محمودؒ |
| | **کتب فتاوی** | |
| ۴۶ | احسن الفتاویٰ | مفتی رشید احمد لدھیانویؒ |
| ۴۷ | فتاوی محمودیہ | مفتی محمود الحسن دیوبندیؒ |

| | | |
|---|---|---|
| **اصول فقہ** | | |
| ۴۸ | اصول سرخسی | شمس الائمہ محمد سرخسیؒ |
| **کتب عقائد** | | |
| ۴۹ | الاعتصام | علامہ ابراہیم شاطبیؒ |
| ۵۰ | الباعث علی انکار البدع | علامہ ابن ابی شامہ مقدسیؒ |
| **کتب تصوف** | | |
| ۵۱ | بریقہ محمودیہ فی شرح طریقۃ محمدیۃ | علامہ محمد خادمیؒ |
| ۵۲ | الطریقۃ المحمدیۃ | علامہ برکویؒ |
| ۵۳ | علم تصوف وسلوک | مفتی عبید الرحمن، مردان |
| **کتب رجال** | | |
| ۵۴ | طبقات الشافعیہ | علامہ تقی الدین سبکیؒ |